مقدمہ

از

یگانۂ زمن فخرِ وطن مولانا سید مناظر احسن صاحب مدظلہ العالی (گیلانی)
صدر شعبۂ دینیات حیدرآباد دکن

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصْطَفٰی

اپنے مالک سے جو روٹھے ہوئے تھے اُن ہی کو منانا اور ایک ہی ماں باپ کے بچے باہم ایک دوسرے سے جو ٹوٹے ہوئے تھے، اُن ہی کو ملانا یہی تو اُس پیغام کا حاصل ہے جو سارے جہان میں تقسیم شدہ پیغاموں کا آخری خلاصہ ہے تاکہ پھر کسی سے کوئی نہ لڑے۔ اسی لیے تلقین کی گئی کہ آیندہ اُن کو نہ جھٹلایا جائے جو اپنے اپنے زمانوں اور اپنی اپنی قوموں میں سچے مانے گئے اور جن سچائیوں کو پہلوں نے بانٹا تھا جب اُن ہی کو سمیٹ کر آخری دفعہ محفوظ کر دینے کی یہ آخری کوشش تھی تو جھٹلانے اور تکذیب کرنے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں پھر چونکہ یہ آخری خلاصہ کی آخری کوشش

رباعیات

شاد عظیم آبادی

زیر سرپرستی بیگم صغریٰ ہمایوں مرزا
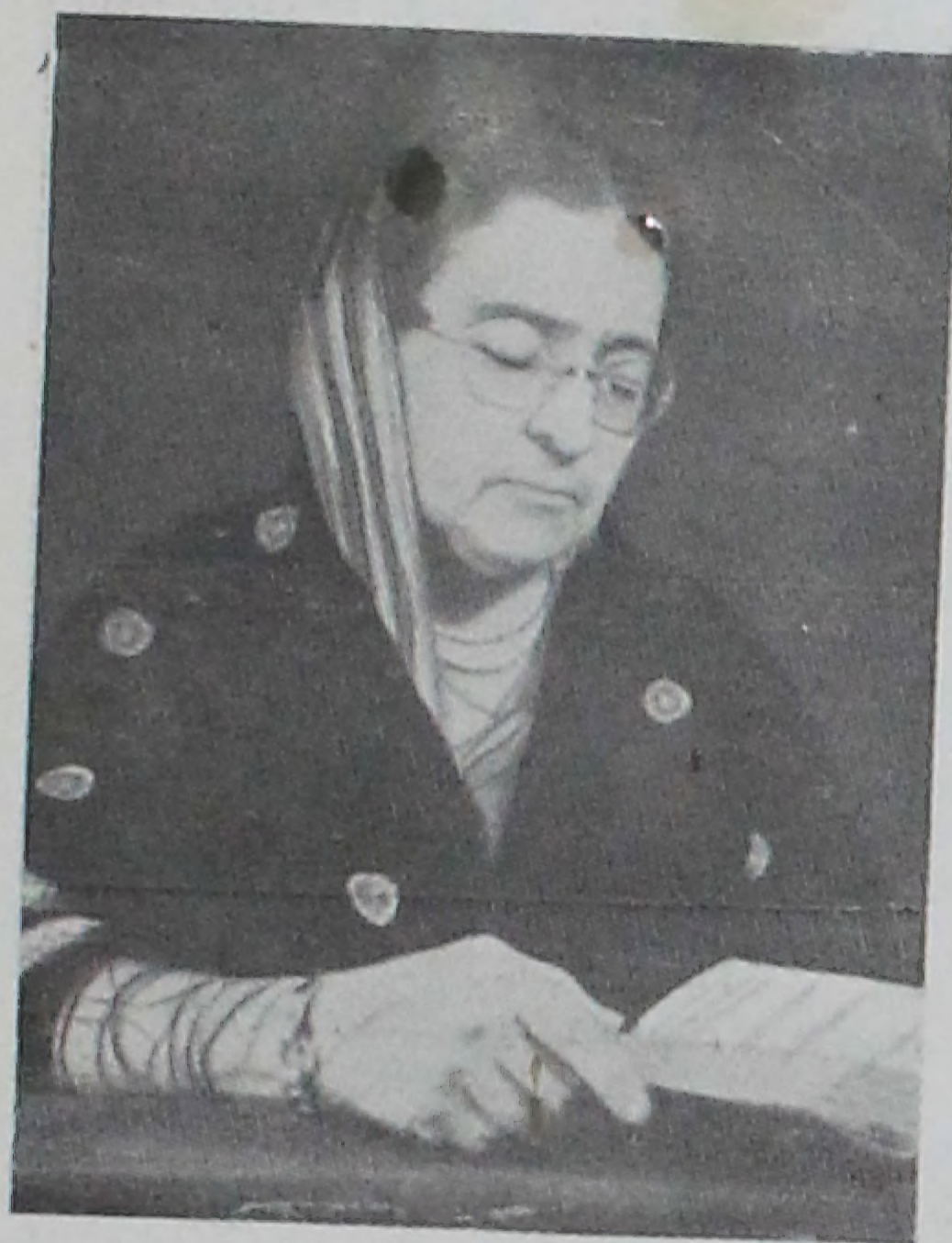
Begum Soghra Humayun Mirza
(62 years in 1946.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از

یگانۂ زمن فخر وطن مولانا سید مناظر احسن صاحب مدظلہ العالی (گیلانی)

صدر شعبۂ دینیات حیدرآباد دکن

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اپنے مالک سے جو روٹھے ہوئے تھے اُن ہی کو منانا اور ایک ہی ماں باپ کے بچے باہم ایک دوسرے سے جو ٹوٹے ہوئے تھے، اُن ہی کو ملانا یہی تو اُس پیغام کا حاصل ہے جو سارے جہان میں تقسیم شدہ پیغاموں کا آخری خلاصہ ہے تاکہ پھر کسی سے کوئی نہ لڑے. اسی لیے تلقین کی گئی کہ آیندہ اُن کو نہ جھٹلایا جائے جو اپنے اپنے زمانوں اور اپنی اپنی قوموں میں سچے مانے گئے اور جن سچائیوں کو پہلوں نے بانٹا تھا جب اُن ہی کو سمیٹ کر آخری دفعہ محفوظ کر دینے کی یہ آخری کوشش تھی تو جھٹلانے اور تکذیب کرنے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں پھر چونکہ یہ آخری خلاصہ کی آخری کوشش

تھی اس لیے اس کا بھی تو اندیشہ باقی نہ رہا کہ آیندہ پیدا ہو ہو کر نئی راہوں نو
نئی آنے والی نسلوں کے سامنے پیش کر کر کے دبی ہوئی لڑائیوں کو بھڑکانے
والے پھر نہ کہیں بھڑکائیں۔ رنگ، نسل و وطن و زبان کے جھگڑوں کو چکا دینے
کے بعد دین اور دھرم کی راہ سے جو لڑائیاں ہوتی تھیں، اُن کا بھی
اس طریقہ سے ہمیشہ کے لیے سدّ باب کر دیا گیا، پکار دیا گیا، مشرق میں
پکار دیا گیا، مغرب میں پکار دیا گیا، دکھن میں پکار دیا گیا، اُتر میں پکار
دیا گیا، سارے جہان میں منادی کردی گئی کہ سارا جہان ایک ہی،
جہان کا مالک ایک ہی، مالک کے بندے ایک ہیں۔

ایک ایسا نشہ چڑھایا گیا کہ لاکھوں اور کروڑوں معبودوں کو یاد کرنے
والی دنیا ایک ہی خالق، ایک ہی مالک کی یاد میں محو ہو گئی۔ محویت کا یہ
رنگ چڑھنے کی حد تک تو سبھی پر چڑھا، نہ صرف ماننے والوں پر بلکہ جو ابھی
سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے نہیں مانا ہی، سچ پوچھئے تو جاننے کی حد تک وہ بھی
اس رنگ سے خالی نہیں ہیں۔ کلیسا اور پوپ کے جوئے کو اُتار کر مغرب کے
علاقوں میں جنھوں نے احتجاج اور پروٹسٹ کی صدا بلند کی یا مشرق کی
سرزمین میں کبیر داس اور نانک کے گیتوں کو پسند کیا گیا تو ماننے والوں
میں نہ سہی، تو ہم جاننے والوں میں بھی کیا ان کو شریک نہیں کر سکتے؟
آج بھی مختلف سماجوں کے نام سے اُٹھنے والے، اُٹھ کر تینتیس ۳۲ کروڑ کی تعداد
کو گھٹا کر ایک تک لے آئے ہیں۔ کیا یوں ہی لے آئے ہیں، اندر میں اگر
کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہی تو باہر میں یہ انقلاب کیوں ہی؟

خیر! رنگ تو سبھی پر چڑھا ہے، چڑھے گا، چڑھتا چلا جائے گا لیکن ماننے والوں پر محویت کا یہی رنگ جب گہرا ہو کر چڑھتا ہے تو اسی رنگ والوں کا نام **صوفی** اور محویت کے اس نکھرے ہوئے شوخ ڈہڈہاتے رنگ کا نام **تصوف** رکھ دیا گیا ہے۔

جن کا **شعور** نازک تھا اور نزاکت شعور کے ساتھ شعوری احساسات کی تعبیر کی بھی قوت جو قدرتی طور پر اپنے اندر رکھتے تھے جب اس گہرے رنگ میں رنگین ہوئے تو جو کچھ اُن کے اندر تھا، وہی اُبل اُبل کر باہر آنے لگا۔ اسی کو صوفیانہ شاعری سے لوگ موسوم کرتے ہیں۔

جن کی **زبان** عربی تھی، اُن کی زبان تو گونگی ہو چکی تھی۔ اس لیے گونگی ہو چکی تھی کہ اُن کی زبان میں خدا بول چکا تھا۔ خالق کے سامنے غریب مخلوق کی زبان گونگی بن کر نہ رہ جاتی تو اور کیا ہوتا۔ معلقاتی شعرائے نے قلم توڑ دیے۔ کاغذ پھاڑ دیئے۔ لبیدؔ سے پوچھا گیا، اب شاعری کیوں نہیں کرتے؟ تو بیچارے نے وہی کہا کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران کے بعد اب شعر کی کیا گنجائش ہے[له]

له کہتے ہیں کہ معلقہ والے قصیدے کا مشہور شعر ے مجلی السیول عن الطلول کانہا زبر تجد متونہا اقلامہا ؛ (محبوبہ کی خیمہ گاہ کے آثار جو ریت کے نیچے دبے ہوئے تھے اُن کو بارانی کے سیلاب نے کھول کر اس طرح نمایاں کر دیا کہ گویا قلم نے تختی پر سطروں کو پھر ابھار دیا) فرزدق مشہور شاعر سوار جا رہا تھا، کان میں اس شعر کے پڑھنے کی آواز آئی، سواری سے اتر کر سجدے میں گر گیا۔ لوگوں نے پوچھا۔ یہ کیا حرکت ہے۔ بولا تم لوگ تو قرآن کی اُن آیتوں کو پہچانتے ہو جن پر سجدہ کیا جاتا ہے اور میں شعر کے اُن مقامات کو جانتا ہوں جن کے سننے والوں پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ ۱۲

بشار بن عدی عرب کا منہ زور طائی شاعر تھا، قرآن سُننے کے بعد صرف ان دو شعروں کے کہنے کے بعد ہمیشہ کیلئے چپ ہوگیا ہے

ترکت الشعر واستبعدت منہ ❖ کتاب اللہ لیس لہ شریک
وودعت المدامۃ والندامیٰ ❖ اذا داعی منادی الصبح دیک

اس لیۓ عرب تو مبہوت بنا کھڑا رہا لیکن عرب سے نکل کر جب محویت کے اسی رنگ نے ایران میں قدم جمایا تو رزم و بزم کی ساری داستانیں ختم ہوگئیں اور ایرانی شاعری صرف تصوف کی شاعری بن کر رہ گئی۔ جن پر رنگ چڑھا ہوا واقعۃً تھا وہ تو اس کے سوا اور کچھ کہہ ہی نہیں سکتے تھے لیکن جو ہوش میں تھے وہ بھی بے ہوشوں کا رنگ زبردستی اختیار کرنے پر مجبور تھے کہ اس کے سوا سُننے والے کچھ سننا بھی تو نہیں چاہتے تھے۔

ایران سے بڑھتا ہوا یہ سیلاب ہندوستان پہونچا، اُس ہندوستان میں پہونچا جہاں کہ پہاڑوں کے کھوہ اور جنگلوں کے گپھے پہلے ہی سے کچھ اسی قسم کی محویت رکھنے والوں سے بھرے پڑے تھے اور قدرت کا اسے بھی ایک کرشمہ ہی سمجھئے کہ دلوں کے ملانے کے لئے جو پیغام آیا تھا ہندُستان میں پہونچ کر کچھ ایسا اثر اس نے ڈالا کہ دل تو دل زبانیں بھی سب کی مل گئیں۔ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے حواریوں پر آگ کی شکل میں جب روح القدس کا نزول ہوا تو ان میں ہر ایک دوسری قوموں کی زبانیں بولنے لگا۔ حواریوں کے ساتھ یہ صورت پیش آئی تھی یا نہ آئی تھی لیکن

ہندوستان میں تو اس پیغام نے یہ واقعہ ہے کہ اُسی روح القدس کا کام گیا بولنے لگا، اس ملک کا ہر باشندہ بولنے لگا، ایک ایسی زبان جس میں قرآن والوں کو اگر قرآن کے الفاظ مل جاتے ہیں تو زردشت کے ماننے والوں کو کسی شکل میں اُن الفاظ کے دہرانے کا موقع مل جاتا ہے جو کسی زمانے میں زردشت کی زبان سے نکلے تھے اور سری کرشن جی نے کورکشتر کے میدان میں بیانی قوت کے زور کو جن الفاظ کے لباس میں جلوہ گر کیا تھا یا ویدویاس نے مہابھارت کا قصہ لوگوں کو جن شبدوں میں سُنایا تھا، بالمیکی نے رام چندر جی اور راون کی لڑائی کی داستان جس بھاشا میں ادا کی تھی اُن کے بولنے پر تو ہر وہ شخص مجبور ہے جو اس عجیب و غریب زبان میں گفتگو کرتا ہے۔

اس صورت میں یہ توقع بے جا نہ تھی کہ محویت کا وہی یکتا و بے ہمتا رنگ ہندوستان کے رہنے والوں پر جب چڑھے گا، چڑھ کر جب بڑھے گا، تو ایران سے بھی آگے بڑھ جائے گا لیکن کیا کیجیے کہ اس رنگ کے چڑھنے کے جو دن تھے، اُن میں اس زبان کی کمان جیسا کہ چاہیے چلّے پر نہیں چڑھی تھی اور جب چلّہ اس کمان کا چڑھا تو محویت کا وہ رنگ ہی اس ملک کے باشندوں کے قلوب پر سے اُتر گیا حالانکہ ابھی پورے طور پر اترا نہیں تھا، اترنے کی ابتدا ہو رہی تھی لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ ایران میں جو پیدا ہوا تھا اور بنارس میں آکر مدفون ہوا، اُس علی حزیںؔ تک کی زبان کے اس فقرے نے

شہرت حاصل کی کہ "تصوف برائے شعر گفتن خوب است"۔ جہاں تصوف کی یہ درگت بن چکی ہو اگر وہاں کے رہنے والوں کی شاعری صرف گل و بلبل، ساغر و مل سے، یا اس سے بھی نیچے اتر کر دشت و جبل، صحرا اور جنگل میں اٹک کر رہ گئی ہو تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ جہاں کے سب سے بلند پرواز شاعر کی شاعری کی اڑان ؎

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے۔

کی تان پر ٹوٹ کر دم توڑ چکی ہو، اُس قنوطی یاس کدہ اور اُس کے مارے پیٹے دھتکارے ڈرے ڈرائے ہوئے باشندوں سے اور کس چیز کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ؎

جب دلِ زندہ تو نے ہم کو چھوڑا ٭ ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑ دی

نامرادی کے ایسے پتھروں سے جن کے دل چور ہوں، رام کہانی یا رحیم بانی کی اُن سے امید ہی کیوں کیجئے۔ کچھ اس "دلِ زندہ" کی لاش پر ماتم کرنے والے ماتم کر رہے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ اُن کی "خودی" مر گئی ہے۔ اس "خودی" کی قبر پر اس لیئے واویلا مچا رہے ہیں کہ شاید اس تنِ بے جان میں پھر جان پیدا ہو جائے لیکن اس کا فیصلہ اب کون کرے کہ "خدا فراموشی" سے "خود فراموشی" پیدا ہوتی ہے یا "خود فراموشوں" کے قلوب پر "خدا فراموشی" کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ قرآن میں تو ہے "نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ" (بھول گئے وہ خدا کو

تو بھلا دیا خدا نے اُن کو اُن ہی سے)

بہر حال پھر بھی غنیمت ہے کہ محویت نہ سہی لیکن ابھی اصلی رنگ اکثریت میں باقی ہے، چاہا جائے تو گہرا کرنے والے اسی رنگ کو گہرا کر سکتے ہیں جس کی ایک تدبیری راہ شاعری کی بھی راہ ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ پہلوں میں تو کم لیکن پچھلوں میں جہاں خدا دشمنوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے، وہیں قہر و جلال، غوائیت و ضلال کی اُن تجلیوں کے ساتھ ساتھ، رحم و جمال کی تجلیاں بھی نئی تازہ مثالوں کی شکل میں چہرہ پرداز ہو رہی ہیں۔ تصوف اور صوفیانہ شاعری کی طرف بھی ایک خاص طبقہ کا رجحان بڑھ رہا ہے کتب اللہ آمنا لھم و ایدھم بروح القدس ۵

اگلوں میں خواجہ میر درد نے اس سلسلہ میں اُس وقت گلکاریاں شروع کی تھیں جب ٹک اور کبھو کے کانٹوں سے اُردو صاف نہیں ہوئی تھی۔ صفائی کے بعد اس میں شک نہیں کہ اصغر، جگر، وفاؔ نے لازوال نمونے شاعری کے اس صنف اُردو زبان کی گود میں بھرے ہیں لیکن یہ ساری پیداوار شاد کے بعد کی ہیں۔ غالب مرحوم ترنگ میں آکر کبھی کبھی اس میدان کی طرف بھی نکل آئے ہیں لیکن اپنے کلام کی خصوصیت اُنھوں نے تصوف کو نہیں قرار دیا تھا۔ "فی کل وادٍ یھیمون" کے سلسلہ کا ایک وادی یہ بھی تھا۔

سعودؔ نے اور نکھرنے، شستہ اور رفتہ ہونے کے بعد سب سے پہلے اردو شاعری میں تصوف کے مسائل کو اپنے کلام کی ایک خصوصی ایجابی صفت قرار دے کر جس شخص نے شریک کرنا شروع کیا، جہاں تک میرا خیال ہے وہ بہار کے بوڑھے شاعر حضرت شادؔ ہیں لیکن افسوس ہے کہ پڑھنے والوں نے شادؔ کے کلام کا جائزہ اس نقطہ نظر سے اب تک نہیں لیا ہے۔ ندیمؔ کے شاد نمبر میں خاکسار نے بھی جو کچھ لکھا تھا وہ تصوف نہیں بلکہ اُن کی شاعری کے اُس حصہ کی طرف صرف اشارہ کیا تھا، جس میں "اسلامی علم کلام" کے بعض اہم مسائل کو شادؔ نے بالکل نوکھی اور اچھوتی تعبیروں میں پیش کیا ہے۔

مجھے اس کی خوشی ہے کہ جانشین شادؔ حضرت حمید عظیم آبادی ایک نئے خیال کے ساتھ موفق ہوئے ہیں، یعنی اُنھوں نے ارادہ کیا ہے کہ شادؔ کے کلام کی بعض خاص چیزوں کو اُردو سے انگریزی زبان میں منتقل کریں۔ اگر اپنی اس مہم میں حمید صاحب کامیاب ہوگئے تو پھر اُردو کے غزل نویس شعراء کے کلام کی خدمت کی یہ ایک ایسی نئی راہ نکل آئے گی جس پر جہاں تک میں جانتا ہوں شاید اب تک کوئی نہیں چلا ہے۔

حمیدؔ صاحب نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے شادؔ کی چند رباعیات کا انتخاب ترجمہ کے لیے کیا ہے وہ ترجمہ بھی آپ کے سامنے ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا، تصوف کے حقائق و مسائل کو بیان کرنا شاد کی شاعری کی چند خصوصیتوں میں سے ایک بڑی خصوصیت ہے۔ اُن کا یہ رنگ بہ نسبت غزلوں کے رباعیوں میں زیادہ نمایاں ہے۔ آپ کو شاد کی ان رباعیوں اور رباعیوں کے ترجمہ کو اسی نقطۂ نظر سے پڑھنا چاہیئے۔

اس موقعہ پر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ شاد کی رباعیوں میں سے بعض رباعیوں کے معنوی پہلوؤں کی طرف تھوڑا اسا اشارہ میں بھی کر دوں تاکہ پڑھنے والوں کو شروع ہی میں اس کا اندازہ ہو جائے کہ شاد کی رباعیوں کا مطالعہ کس نقطۂ نظر سے کرنا چاہیئے۔

تصوف ہی نہیں بلکہ مذہب کہیئے یا مابعد الطبعاتی فلسفہ (میٹافزکس) سب میں جس مسئلہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ یہ مسئلہ ہے کہ لامحدود کثرتوں کا یہ مجموعہ جس کا نام عالم ہے، وحدت کے سرچشمہ سے اس کا کیا تعلق ہے؟ یعنی وحدت کے ایک بسیط نقطہ سے نت نئی نیرنگیوں سے بھرا ہوا یہ عالم پہلے ظاہر ہی کیسے ہوا؟ اور ظاہر ہوا بھی تو اب کثرت کے اس عالم کو وحدت کے اس سرچشمۂ آغاز سے کس قسم کا تعلق ہے؟

ایک گروہ تو عامیوں کا ہے جو خالق کائنات کے متعلق یہ خیال رکھتا ہے کہ جیسے کاریگر مثلاً بڑھئی کرسی بناتا ہے یا کمہار برتن، دنیا کو بھی اس کے بنانے والے نے کچھ اسی انداز سے بنایا ہے لیکن جب ان ہی

عامیوں سے پوچھا جاتا ہو کہ کاریگروں کی کاریگری تو ہمیشہ کسی مادّے کی محتاج ہوتی ہو، آخر لکڑی کے بغیر کرسی، مٹی کے بغیر برتن بننے کی کیا صورت ہو؟ پھر جب کچھ نہ تھا تو بنانے والے نے اس عالم کو بغیر مادے کے کیسے بنایا۔ اور یہی نہیں کرسی یا برتنوں کے بننے کے بعد بڑھئی یا کمہار اگر غائب ہو جائے اور یہ ہوتا ہی رہتا ہو تو ظاہر ہو کہ نہ کرسی کا غائب ہونا ضروری ہو اور نہ برتنوں کا، پھر یہ اعتقاد کیا ایمانی اعتقاد ہو سکتا ہو کہ پیدا ہونے میں تو خیر دنیا کو خدا کا محتاج مان لیا جائے لیکن بعد پیدا ہونے کے دنیا کو خدا کی ضرورت باقی نہیں رہی، ماسوا اس کے خدا کے متعلق تمام مذاہب کا اس پر اتفاق ہو کہ اپنی مخلوق کے کسی حصہ اور کسی جز سے وہ غائب نہیں ہو، ہر جگہ حاضر و ناظر ہو لیکن مکان کو معمار بناتا ہو اور ہر ایک کمرے کا احاطہ بھی معمار کا وجود نہیں کرسکتا۔ دراصل یہ اور اسی قسم کے سوالات ہیں جن کی وجہ سے ابتدا میں تو لوگ اس عامی عقیدے کو مان لیتے ہیں لیکن جیسے جیسے مذہب یا فلسفہ میں رسوخ ان کا بڑھتا جاتا ہو، خدا اور عالم میں اس نسبت کے تصور سے وہ گھبرانے لگتے ہیں۔

تب دوسری جماعت سامنے آتی ہو اور خالق و مخلوق میں اس نسبت کو پیش کرکے تسلی دینا چاہتی ہو جو مادّے اور صورت میں ہوتی ہو۔ یا مثلاً تخم اور درخت یا انڈے اور مرغی میں جو تعلق ہو، یہ لوگ کچھ ایسا باور کرانا چاہتے ہیں کہ خدا ہی ابتدا میں عالم کا مادہ

تھا۔ اور وہی موجودہ شکلوں میں منقلب ہوگیا ہے۔ اس طرح منقلب ہوگیا ہے جیسے انڈا پھٹ کر مرغی کی شکل یا تخم درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے عام طور پر وحدت الوجود کے نظریہ کا عامی مطلب دنیا میں یہی مشہور ہے۔ لیکن ان ہی لوگوں سے پوچھا جائے کہ درخت بننے کے بعد تو تخم یا مرغی بننے کے بعد تو انڈا معدوم اور غائب ہوجاتا ہے، پھر کیا مخلوقات کی تشکیل کے بعد اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ خود اُس کا خالق معدوم اور نابید ہوگیا۔ ماسوا اس کے بیٹھے بٹھائے خدا کو یہ کیا سوجھی کہ کامل تھا ناقص بن گیا۔ آرام اور چین سے تھا مخلوقات کی شکل اختیار کر کے دُکھ، درد، گندگی، نجاست، ذلت و خواری کا وہ شکار ہوگیا۔

الغرض اسی قسم کے سوالات کی بوچھار جب شروع ہوجاتی ہے تو بیچارے وحدت الوجود والے بھی اسی طرح حواس باختہ ہوجاتے ہیں، جس طرح عامی عقیدے والوں کو ششدر و حیراں پایا گیا تھا بلکہ عام انسانی فطرت پہلی صورت میں تو اطمینان کی ایک شکل ایمان (فیتھ) کی راہ سے پا بھی لیتی ہے کہ خدا نے اپنی قدرت سے معدوم کو موجود کر دیا اور وہ ہر وقت اُس کی نگرانی فرما رہا ہے ہم ہر حال میں اُن کے محتاج ہیں، کم از کم ہر سال برسات نے لانے [illegible] بیماریوں سے ہمیں محفوظ رکھنے روزی روٹی دینے وغیرہ [illegible] طرح سمجھ میں آتے یا نہ آئے لیکن یہ ماننا چاہیئے کہ خدا [illegible] جس طرح

ہماری چھوٹی سی آنکھ آفتاب کے کرہ کا احاطہ کر لیتی ہے، کیا ہوا اگر خدا بھی اس طویل اور عریض عالم کو دیکھ رہا ہو۔ جان رہا ہو، بہر حال ایمان کی راہ سے ان کو تو تشفی کی ایک صورت بھی مل جاتی ہے لیکن وہ انڈے مرغی والے نظریۂ وحدت الوجود میں اتنی خرابیاں ہیں کہ ایک سیدھے سادے سچے خدا کے مخلص بندے کے لیے اس کی جسارت ناممکن ہے کہ العیاذ باللہ خدا ہی کو فاعل، خدا ہی کو مفعول، ضارب و مضروب، مرنے والا، جینے والا، سڑنے والا، گلنے والا، کراہنے والا، چیخنے والا، مان لے اور یقین کرے کہ گھوڑے گدھے، بیل، ہاتھی، نباتات، جمادات، اور نجاستوں کی شکل میں اب وہی براجمان ہو رہا ہے۔

ان دونوں عقیدوں کے مقابلہ میں ایک مشاہداتی تجربہ وہ ہے جسے اسلام نے پیش کیا ہے۔ جس کی بنیاد ایک اساسی کلیہ پر مبنی ہے یعنی وہی اسلام کا عام نظریۂ خلافت، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ خالق نے تمام مخلوقات کے درمیان انسان کو اپنی نمایندگی اور خلافت کی صفت سے سرفراز فرمایا ہے جس کا تشریحی مطلب یہ ہے کہ انسانی وجود میں خدا نے اپنے صفات و کمالات کو نمایاں کر کے ٹھیک ٹھیک اپنی ذات کا، اپنے صفات کا، اپنے افعال کا نمایندہ بنا کر اسے پیدا کیا ہے۔

اسی کلیہ کی روشنی میں اسلام نے جس پیچیدہ مشکلات کو

حل کیا ہے جن میں "خالق و مخلوق" کے باہمی تعلق کا مسئلہ بھی ہے یعنی اس سوال سے پہلے کہ خدا اور اس کی مخلوق میں کیا تعلق ہے، دیکھنا یہ چاہیے کہ خدا کے خلیفہ اور نمایندہ انسان میں اور انسان کی مخلوقات میں کیا تعلق ہوا کرتا ہے؟

مگر بظاہر ایک دشواری اس میں یہ پیش آتی ہے کہ سرے سے غریب انسان کسی مخلوق کے پیدا کرنے پر قادر ہی نہیں ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کر سکتا ہے تو یہی کر سکتا ہے کہ یہ عالم جو ظاہر ہے کہ اس کے خلق کا نتیجہ نہیں ہے اس کے اندر جن چیزوں تک آدمی کی رسائی ہے اُن کے صفات و خصوصیات کو معلوم کر کے چاہے تو اُن کی پوشیدہ صلاحیتوں کو نمایاں کر دے، مثلاً پتھر کو آدمی پیدا تو نہیں کر سکتا لیکن مورت بننے کی پتھر میں جو ایک قدرتی صلاحیت ہے اور پانی میں نہیں ہے، پتھر کی اس قدرتی صلاحیت کو سنگ تراشی کے معلومات سے واقف ہونے کے بعد آدمی نمایاں کر دے سکتا ہے۔

مگر یہی مسئلہ ذرا سوچنے کا ہے، آدمی اپنے باہر تو ٹھیک ہے کہ اس سے زیادہ نہیں کر سکتا کہ قدرتی چیزوں کی قدرتی صلاحیتوں کو فعلیت کا رنگ عطا کر دے لیکن بجائے باہر کے چاہیے کہ ہم میں ہر شخص اپنے "اندر" غور کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے معلومات کو بیداری یا خواب کی حالت میں آدمی جو یہ دیکھتا ہے

کہ وہ اُس کے سامنے کھڑے ہیں مثلاً گول گھر کو جس نے دیکھ کر
اس کو اپنا معلوم بنالیا ہو اور اُس کے بعد اپنے گھر پہونچ کر کرسی پر
لیٹے لیٹے اُس کا تخیل کرتا ہو تو اپنی لال لال اینٹوں، گروی جسم کے
ساتھ یہ عمارت جو ہمارے سامنے کھڑی نظر آتی ہو یا خواب میں
ہم دیکھتے ہیں کہ سامنے گنگا بہ رہی ہو۔ ہم کشتی پر سوار ہوئے پلہیز اگھاٹ
سے روانہ ہوکر سون پور پہونچے۔ چھتر کا میلا لگا ہوا ہو۔ سیکڑوں ہاتھی
گھوڑے، بیل میلوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لوگ آرہے ہیں۔
جارہے ہیں۔ یہ سارا قصہ جو آدمی کے اندر ہوتا رہتا ہو، یہ کیا ہو؟
کیا چیزوں کی صورتیں دماغ میں دفن ہو جاتی ہیں اور تخیل
کے کدال سے آدمی ان کو پھر کرید کر باہر نکالتا ہو؟

بلاشبہ عامیانہ خیال کچھ اس قسم کا ہو لیکن خیال کرنے
کی بات ہو کہ کہاں بیچارا چند انچ کا انسانی بھیجہ، اور کہاں
اس میں چھتر کا میلا، اُس کے سیکڑوں ہاتھی، بیل، گھوڑے،
یہ بھی نہیں کہ ان چیزوں کی مختصر صورتیں نظر آتی ہیں بلکہ اُن ہی
جسامتوں، طول و عرض و عمق کی اُن ہی کیفیتوں کے ساتھ
یہ ساری چیزیں "اندر" میں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں، جیسی کہ
وہ باہر میں نظر آتی ہیں۔ بھیجے میں آدمی کے یہ چیزیں اگر
دفن ہوتیں تو کھوپڑی توڑنے کے بعد چاہیے کہ اُس سے
یہ چیزیں برآمد ہوتیں۔ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ

پلیٹوں پر تصویریں جو چھپتی ہیں تو جس پلیٹ پر ایک تصویر چھپ چکی ہو، اُس پر دوسری تصویر بھی اگر چھاپ دی جائے گی تو خلط ملط ہو کر دونوں کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ مگر انسانی دماغوں میں لاکھوں چیزیں پائی جاتی ہیں، بڑے بڑے شہر، آبادیاں، ستارے، سیارے، دریا، پہاڑ، سب کچھ لیکن ہر ایک دوسرے سے الگ الگ ہمیں اپنے اندر نظر آتا ہے۔

پھر یہ کیا ہے؟

یہی انسان کا تخلیقی عمل ہے۔!

کسی چیز کو معلوم بنا لینے کے بعد اپنے معلوم کو مخلوق بنا لینے کی آدمی کو قدرت پیدا ہو جاتی ہے اور بیداری یا خواب میں اپنے اندر، ہم جن چلتی پھرتی چیزوں کو پاتے ہیں، یہ در اصل ہماری ارادی قوت کی کارستانیاں اور یہی ہماری حقیقی مخلوقات ہیں۔

اس کے بعد دیکھئے کہ خدا کے اس خلیفہ انسان کا اپنی ان مخلوقات سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے۔

باہر والے چھتر کے میلے کو چاہا جاتا ہے کہ ہم اپنے اندر، پیدا کریں۔ پھر اس کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے۔ کیا لکڑی کی؟ لوہے کی؟ جگہ جگہ سے تار دے کر ہاتھیوں والے اور گھوڑے والوں کو دعوت دینے کی ضرورت ہے؟ کچھ نہیں، صرف اس بات کا ارادہ کہ "ہو جا" سارا ابھرا بھرایا میلا ہو جاتا ہے۔ باہر والے گول گھر کو ہم

اپنی مخلوق بنا کر اپنے اندر، پیدا کرنا چاہتے ہیں، نہ اینٹ کی حاجت ہے نہ چونے کی، نہ تعمیر کے کسی دوسرے سامان کی۔ صرف کُن، کا ارادہ کیا گیا اور گول گھر کی لمبی چوڑی عمارت سامنے کھڑی ہے۔

اور جب اپنی ان مخلوقات پر قیامت طاری کرنے کا ارادہ ہم کریں تو کیا ضرورت ہوگی۔ توڑ پھوڑ، اُکھاڑ پچھاڑ کی؟ کچھ نہیں۔ صرف، ارادے کا ہٹا لینا کافی ہے اور پھر "کچھ نہیں"۔ پھتر کا میلا کتنا لمبا، کتنا چوڑا، اور بھانت بھانت کی چیزوں سے بھرا ہوا ہے لیکن اسی کو اپنی مخلوق بنا کر دیکھیے۔ اُس کو دیکھیے جو اس "مخلوق" کا خالق ہے یعنی اپنے آپ کو دیکھیے۔ کیا آپ اندر کے اس میلے کے کسی حصہ سے اپنے آپ کو غائب پاتے ہیں۔ جہاں بیل ہے وہاں بھی آپ" ہیں اور جہاں ہاتھی ہیں وہاں بھی، اور جہاں انگریزی بازار ہے وہاں بھی، اس کے اندر بھی آپ، باہر بھی آپ، ظاہر میں بھی آپ، باطن میں بھی آپ، آپ ہی آپ ہیں یا اور بھی کچھ اس اندر والے میلے میں۔ لیکن کئی میل لمبے اس میلے کے لمبے ہونے سے کیا آپ لمبے ہو گئے، چوڑے ہو گئے، یا اس میلے میں جو حوادث گزر رہے ہیں، جو گندگیاں اُچھالی جا رہی ہیں ان میں سے کسی کا اثر آپ پر پڑ رہا ہے۔ حالانکہ آپ اس میلے کی ہر چیز کے ساتھ ہیں، ہر ایک کو محیط ہیں، بلکہ سچ پوچھئے تو اندر کا یہ میلا بجز۔ آپ کے ارادے کے اور کچھ نہیں ہے، مگر کیا آپ جس وقت اپنے اندر

اس میلے کو پیدا کرتے ہیں، اُس وقت آپ گھوڑا، ہاتھی، یا مسلم میلا ہو جاتے ہیں؟ قطعًا نہیں! مگر اس میلے کا وجود آپ کے وجود کے سوا اور بھی کچھ ہی؟

یہی ہی خالق و مخلوق کے درمیانی تعلقات کی صحیح نوعیت. اور قرآن کو پڑھ جایئے اس نے خدا اور خدا کی مخلوق اس عالم کے درمیان بجنسہٖ ان ہی تعلقات کا دعویٰ کیا ہی اور یہ ایک ایسا دعویٰ ہی جس کا تجربہ ہر شخص کے اندر موجود ہی۔

اب تمام مخلوقات سے ہٹ کر صرف ایک مخلوق جو خدا کی ہی یعنی خود ہم، یا آپ، کسی ایک کو لے لیجئے اور سوچیے کہ جب ہمارا خدا اسے اسی قسم کا تعلق ہی جس قسم کا تعلق خود ہمارا اپنی مخلوقات کے ساتھ ہی. سوچیے! آیک شخص کو اپنے اندر، پیدا کرکے تجربہ کیجئے کہ اس کا آپ سے اور آپ کا اس سے کیا تعلق ہی زید اندر کی اس مخلوق کا نام رکھ لیجئے۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہی کہ زید در اصل کچھ نہیں ہی بلکہ صرف آپ کے ارادے کا وہ ایک جلوہ ہی۔ آپ سے الگ ہو کر زید اگر چاہے تو کیا پایا جا سکتا ہی؟ صرف پانے ہی کی حد تک بات نہیں ہی، کیا وہ اُٹھ سکتا ہی جب تک آپ ہی اُسے نہ اُٹھائیں۔ بیٹھ سکتا ہی جب تک آپ ہی نہ بٹھائیں۔ سو سکتا ہی جب تک آپ ہی نہ سُلائیں۔ آپ اس زید کے اندر بھی ہیں، باہر بھی ہیں۔ آپ ہی اس کے

اول ہیں، آپ ہی اس کے آخر ہیں۔ جب آپ کی مخلوق کا آپ سے یہی تعلق ہے تو پھر سوچنا چاہیے کہ ہم جس کی مخلوق ہیں، اُس سے ہمارے تعلق کی نوعیت وہی تو ہوگی، جو ہر خالق کے ساتھ اس کی مخلوق کی ہوتی ہے۔

پس یہ کتنی بڑی غلطی ہے اس مخلوق انسان کی کہ وہ اپنے وجود کو خدا کے وجود سے اس طرح الگ سمجھتا ہے جیسے کسی دوسری مخلوق کا وجود اس سے الگ ہے۔ حالانکہ مخلوق کا وجود تو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ خالق ہی کا وجود اور اُس کا ارادہ بھی اس کا وجود ہے لیکن لوگوں کی نظر بجائے خالق کے وجود اور ارادے کے خود اپنے وجود مقید پر رہتی ہے۔ کچھ ایسا سمجھتے ہیں کہ خدا سے ہم جُدا ہو کر پائے جا رہے ہیں حالانکہ خدا اور اُس کے وجود سے جُدائی کے بعد تو آدمی معدوم ہو جائے گا۔ **شاد** اسی واقعہ کا اظہار اِن الفاظ میں کرتے ہیں ؎

ارباب قیود تجھکو کیا دیکھیں گے
خواہانِ نمود تجھکو کیا دیکھیں گے
رویت کے لئے شرط ہے میدان فنا
پابندِ وجود تجھکو کیا دیکھیں گے

جب ہم اور ہمارے ساتھ یہ سارا عالم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ حق تعالےٰ کے ارادے کے ہم ایک **جلوہ** ہیں، کہ ہم

کُن فیکونی مخلوق ہیں، کُن فیکونی مخلوق کے کسی جزو، کسی حصہ سے اس کا خالق غائب نہیں ہو سکتا تو کیا کوئی ذرّہ عالم کا ایسا ہے جس سے اُس کے خالق کی ''یافت'' کو ہم حاصل نہیں کر سکتے، صرف'' توجہ کی ضرورت ہے۔ خدا غائب نہیں ہے، ہماری توجہ غائب ہوجاتی ہے۔ اسی مضمون کو شاد ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:۔

ہردم مرے دل میں تو ہی موجود رہے
ہر قصد میں یار تو ہی مقصود رہے
جب آنکھ اُٹھاؤں تیرا جلوہ دیکھوں
جب سر کو جھکاؤں تو ہی مسجود رہے

آدمی مخلوقات کے تماشے میں مصروف ہوکر خالق کی طرف سے غافل ہو گیا ہے، اور مخلوقات کا تماشا آنکھوں کی وجہ سے نظر آرہا ہے یہ نہ ہوں تو پھر خالق کے سوا ہماری توجہ اور کسی طرف کیسے منتقل ہو سکتی ہو اسی کو وہ یوں ادا کرتے ہیں:۔

یہ دل تو ازل ہی سے ترا شیدا ہے
دیدار کی حسرت میں مٹا جاتا ہے
پردہ تو اِن آنکھوں ہی تلک ہے محدود
آنکھیں ہوئیں جب بند تو پردا کیا ہے

شاد نے اسی کے ساتھ اُن لوگوں پر جو مذہب کے اس عقیدے میں بلا وجہ دراندازی کرنے کے عادی ہیں، مختلف طور پر سمجھانا بھی چاہا ہو مثلاً وہ کبھی اس مثال سے سمجھاتے ہیں کہ خدا میں تو تم بعد میں شک کرنا، پہلے اپنے متعلق تو طے کر لو کہ اس کے متعلق بھی کوئی یقین اپنے اندر پاتے ہو؟ کیا ہو؟ کیسے ہو؟ ہو؟ اِن سوالوں کا کوئی جواب تمھارے پاس ہو؟ جو خدا کو مان کر ساری کائنات کے ساتھ خود اپنے آپ کو اُس کے ارادے کا ایک ظہور مانتا ہو، باوجود نہ جاننے کے اُس نے سب کچھ جان لیا ہو، لکھتے ہیں ؎

یہ بھی نہ کھلا کہ ہم نہیں ہیں یا ہیں
ہو ساتھ کوئی یا کہ تنِ تنہا ہیں
مانا کہ نہیں ہیں تو نہیں پر برہان
اچھا ہم اگر ہیں بھی تو آخر کیا ہیں

ایک دوسرے پیرایہ میں اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں:-

جو چاہیے دیکھنا نہ دیکھا میں نے
ہر شے پہ گیا ہو غور کیا میں نے
اوروں کا سمجھنا تو بہت مشکل ہو
خود کیا ہوں اسی کو کچھ نہ سمجھا میں نے

سچ ہو کہ **شاد** نے تصوف کے اس بنیادی مسئلہ کو جن جن عجیب و غریب تعبیروں میں پیش کیا ہو، دوسری زبانوں، عربی و فارسی کو تو میں نہیں کہتا، لیکن اردو میں اس کی نظیریں مشکل ہی سے مل سکتی ہیں:

ان رباعیوں میں وہ کبھی "**ریشنلزم**" والوں پر چوٹ کرتے ہیں اور خوب کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

یہ وہم کسی طرح نہ معقول ہوا
افسوس یقیں بھی شک مجہول ہوا

اللہ ری دراندازیِ عقلِ انساں
معلوم جو تھا وہ اور مجہول ہوا

معلوم جو تھا وہ اور مجہول ہوا، کتنا عجیب مصرعہ ہو۔ روشنی کے جاننے کا ذریعہ آنکھ ہو، آنکھوں کو بند کرکے کان سے روشنی کے دیکھنے کا جو ارادہ کرے گا، روشنی اُس سے قریب ہو گی یا بعید ہوتی چلی جائے گی۔ یہی حال **خالق کی یافت** کا ہو کہ آدمی اپنے "**انا**" ہی سے خدا کے "وجود" کی یافت حاصل کر سکتا ہو لیکن بجائے اس کے جو عقل سے خدا کو پانا چاہے گا، ظاہر ہو کہ بجائے قریب ہونے کے وہ جتنا بھی دور ہوتا چلا جائے بعید نہیں۔

ان اشارات مجملہ کے بعد براہ راست ان کا کلام ہو، انگریزی ترجمہ کے ساتھ آپ کے سامنے پیش ہو رہا ہو، پڑھئے اور ایک متفکر فلسفی شاعر کے ان افکار کی داد دیجیے!!

مناظر احسن۔ گیلانی

شادؔ عظیم آبادی

از

محترمہ بیگم صغریٰ ہمایوں مرزا دام مجدہا
صدرِ آل انڈیا اسٹیٹ مسلم خواتین لیگ حیدرآباد دکن

جناب **عبدالحمید** صاحب نے فرمایش کی ہے کہ **رباعیات شادؔ** پر میں بھی کچھ لکھوں مختصراً چند سطریں حمید صاحب کی خاطر لکھ رہی ہوں:

خیال خاطر احباب چاہیئے ہردم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

یوں تو ہر دور میں عظیم آباد کی مردم خیز خاک پاک سے کوئی نہ کوئی باکمال جلوہ گر ہو کر دنیائے شعر و ادب کو اپنی ضو پاشی سے منور کرتا رہا لیکن جس دور سے **جناب شادؔ** کا تعلق ہے وہ زمانہ وہ تھا کہ **داغؔ** مرحوم کی زبان اور اُن کی غزل سرائی کا بلبل ہزار داستاں چار دانگ عالم میں نغمہ سرا تھا۔ غزل گوئی کا رنگ ہی کچھ اور تھا زمانہ کا مذاق بھی اُسی رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا تھا، یہاں تک کہ **حضرت امیر مینائی** کا سا محتاط شاعر بھی اس رنگ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ لیکن **جناب شادؔ** کی دُور رس نگاہیں **غزل گوئی** کے اصلی مرکز پر پہنچ چکی تھیں اور زمانے کے مذاق سے متاثر

ہونا تو درکنار انہوں نے زمانے کے مذاق کی اصلاح شروع کر دی۔
جہاں تک میں نے جناب شاد کی شاعری کو سمجھا ہے تعلیم یافتہ دورِ جدید کے لئے یقینی وہ شمعِ راہ غزل سرائی بنی اور بن کر رہی۔ جب تمام ہندوستان جناب شاد کو استاد فن مانتا اور ان کے کلام کی قدر کرتا ہے تو پھر میں کیا اور میری ثنا کیا۔ البتہ حمید صاحب تعریف کے قابل ہیں کہ انہوں نے اپنے استاد کی بیچا لوے رباعیوں کا انگریزی ترجمہ کیا اور مجھے بھی اس کارِ خیر میں شریک کیا میں نواب سر نظامت جنگ بہادر کی شکر کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے کہنے سے اس انگریزی ترجمہ کو صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ اس کو زیور نظم سے آراستہ کر دیا وہ ترجمہ کچھ اور ہی ہو گیا، گویا انگریزی رباعیاں معلوم ہوتی ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ترجمہ کیا گیا ہے۔
جناب شاد مرحوم میرے شوہر سید ہمایوں مرزا مرحوم بیرسٹر ایٹ لا کے عزیز تھے اور میرے خسر حضرت سید شاہ الفت حسین فریاد علیہ الرحمۃ کے شاگرد رشید۔ جناب شاد مرحوم نے حضرت فریاد کی سوانح عمری لکھی جس کا نام حیاتِ فریاد ہے۔ اور یہ اُن کی زندگی کا آخری کارنامہ تھا جس کے بعد بقول مولانا سید سلیمان صاحب ندوی "اُن کے دستِ قلم کسی اور بیگانہ تصنیف کو نہ چھو سکے"۔ میں آخر میں جناب حمید صاحب کو اُن کی کوششوں اور محنت پر مبارک باد دیتی ہوں، اور خدا سے دعا کرتی ہوں کہ جس طرح عمر خیام کی رباعیاں انگریزی ترجمہ ہو کر مقبول ہوئی ہیں، اسی طرح جناب شاد کی رباعیاں مقبول ہو کر شہرتِ دوام حاصل کریں آمین یا رب العالمین ؕ

صغریٰ ہمایوں مرزا، ہمایوں نگر حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

التماس

شاد کا نام آیا اور کہنہ مشق شاعرانہ ذی کمالی کا مرقع تصور کی نگاہوں کے سامنے آموجود ہوا اور صوبۂ بہار کی ایک مایۂ ناز ہستی کی تصویر تصدیقات کے تمام براہین و دلائل کی رنگ آمیزیوں کے ساتھ نظروں میں گھومنے لگی میں آج اس مرقعِ فضل وکمال کا وہ روشن رخ نہیں پیش کر رہا ہوں جس کی وجہ سے وہ میرِ وقت اور انیسِ بہار کہلائے یا سرآمد متغزلین دورِ جدید کے لقب سے شہرت پذیر ہوئے لیکن پھر بھی جس صنف شاعری سے آج ناظرین کو روشناس کرنا چاہتا ہوں شاد مرحوم بھی نظر انداز نہیں کیئے جا سکتے۔

اقسامِ نظم میں رباعی سب سے مختصر بھی ہے اور مشکل ترین بھی۔ ان کے اوزان[1] بھی مخصوص ہیں۔ اور اندازِ بیان بھی۔ خیالات کی ندرت، بیان کا زور، طرزِ ادا کی دلکشی، مضمون کی دل آویزی، خصوصیات رباعی نگاری میں شامل ہیں۔ جہاں خیالات کا ترفع اس کی جان ہے،

[1] رباعی کی عروضی بحث کے لیئے میری کتاب "رمز العروض" کا دوسرا حصہ جامع العروض صفحہ ۹۳ ملاحظہ ہو۔ ۱۲ حمید عفی عنہ

وہاں طرز ادا، اور زبان کی سلاست بھی اس کی روح رواں۔ فلسفہ و تصوف حکمت و اخلاق کے مسائل، دلکش و دل آویز پیرائے میں بیان کرنا اس کے لوازم میں شامل ہے۔ عشقیہ مضامین بھی اگر ہوں تو خاص انداز میں بیان کیے جائیں، جس کی زندہ مثال سرمد کی رباعیاں ہیں۔ ان تمام قیود کے ساتھ ساتھ چاروں مصرعے باہم اس طرح دست و گریباں ہوں کہ ایک خوشنما گلدستے کے چار ہمرنگ پھول معلوم ہوں، جن کی خوشبو مشام جاں کو معطر کرنے والی ہو، اور دل و دماغ کو فرحت بخشنے والی بالخصوص چوتھا مصرع تو کڑی کمان کا تیر بن کر نکلے جو دلوں پر جا کر بیٹھے اور سامعین کو تڑپا دے۔

تمام اصناف سخن کی جان رباعی ہے۔ قصیدے کی متانت، مثنوی کا تسلسل، غزل کا سوز و کیف، ان سب کا التزام رباعی میں ضروری ہے۔ وزن عروضی کی قید بند کے ساتھ اختصار اس صنف کا خاص جوہر ہے۔ یہ میدانِ سخن ہر اشہب خامہ کی جولاں گاہ نہیں بن سکتا اور ہر باغبانِ سخن ان گلہائے رنگا رنگ سے جاذب نظر گلدستے نہیں بنا سکتا۔ مختصر یہ کہ رباعی عطر سخن ہے جس میں تمام اصناف سخن کی خوبیاں نچوڑ کر بھر دی جاتی ہیں۔

جس طرح قطعات ابن یمین، کے مقابلے میں اُردو شاعری کوئی وقیع تصنیف اب تک پیش نہ کر سکی، اسی طرح رباعیات حکیم عمر خیام وغیرہ کے برابر کی کوئی کتاب اردو ادب میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ اردو ادب کا

دامن ابھی ایسے جواہر ریزوں سے خالی نظر آتا ہے۔ لیکن اب شعرائے جدید کی کاوشوں کی بدولت اس صنف خاص میں بھی اردو شاعری کا خزانہ پہلے سے زیادہ مالا مال نظر آتا ہے۔

تواریخ نظم اردو کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اور اصناف شاعری کے ساتھ ساتھ یہ بھی صفحۂ قرطاس پر جلوہ گر ہوئی۔ ۱۷۰۰ء کے قبل کے ایک شاعر میر عبدالقادر حیدرآبادی کی ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

ہر چند ہمن سب سے اُٹھایا ہے بات
اُس پر بھی نہ آزاد کہائے ہیہات
عالم منے ہر ایک یہ کہتا ہوگا
دکھن میں ہے قادر ابھوں در قید حیات

یہ ابتدائی نقش تھا، پھر جیسے جیسے اردو شاعری ترقی کی منزلیں طے کرتی گئی، اس صنف میں بھی شعرائے اردو نے طبع آزمائی شروع کی۔ میرؔ و دردؔ کے ہم عصر شعراء میں سے قریب قریب ہر صاحب دیوان استاد نے کم و بیش رباعیاں لکھی ہیں لیکن اُن رباعیوں کو کوئی امتیازی خصوصیت حاصل نہ ہو سکی۔ میرؔ و دردؔ کی ایک ایک رباعی نمونۂ کلام کی غرض سے پیش کی جاتی ہے ؎

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عُمر
مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

درد ؎

آرام نہ دن کو بیقراری کے سبب
نے رات کو چین، آہ وزاری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی
یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب۔

میر درد کے ہم عصر راسخ عظیم آبادی کی بھی ایک باعی ملاحظے میں آئے ؎

دیکھی فقط آرائشِ دنیا تم نے
پیدا نہ کیا دیدۂ بینا تم نے
مصروفِ تماشائے چمن ہی رہے آہ
راسخ چمن آرا کو نہ دیکھا تم نے

اس کے بعد وہ دور آتا ہے جس نے اس صنف میں بھی ایک حد تک اضافہ کی صورت پیدا کی اور میر انیس، اور مرزا دبیر نے اس طرف خاص توجہ فرمائی۔ انیس مرحوم کے مرثیوں کی طرح اُن کی رباعیاں بھی اردو شاعری کی روح رواں ہیں۔ میر و مرزا کے بعد پیارے صاحب رشید نے بالخصوص پیری کے متعلق بہتر سے بہتر رباعیاں لکھیں حالی مرحوم اور اکبر الہ ابادی مرحوم نے اخلاقی اور نصیحت آمیز رباعیوں کا مزید اضافہ کیا۔ ہمارے اُستاد حضرت شاد بھی اسی دور میں آتے ہیں۔

اُستاد مرحوم کی رباعیوں کے معنوی پہلو سے فخرِ وطن محترمی و مکرمی حضرت مولانا **مناظر احسن** صاحب مدظلہ (گیلانی) نے جیسی سیر حاصل بحث کی ہے، وہ انھیں کا حصہ تھا اور واقعی جناب شاؔد کے سے نکتہ سنج اور فلسفی شاعر کی رباعیوں کے معنوی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لیے ایسے ہی دقیقہ رس قلم کی ضرورت تھی جو اپنے رنگ آمیز موقلم کی جنبش سے تصویر کے اُن گوناگوں، اور رنگارنگ پوشیدہ نقش و نگار کو بھی ایسے حسین پیرایے میں نمایاں کر دکھائے کہ حقیقت بیں نگاہیں رنگینی کیف سے مخمور ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ اب رہا صوری پہلو اور معیارِ فن پر رباعیوں کی جانچ پرتال! جہاں تک فن کا تعلق ہے اور جن لوازمات رباعی نگاری کی طرف میں ضمناً اشارہ کر چکا ہوں، اُستاد مرحوم کی رباعیاں اُن کی پوری پوری ترجمانی کر رہی ہیں۔ رباعیوں کی جو شان ہونی چاہیے، وہ ہر رباعی سے ظاہر ہے۔ اردو کا جہاں تک تعلق ہے حضرت شاؔد نے رباعیوں میں بھی اپنی شمشیرِ طبع کا جوہر دکھانے میں کوتاہ دستی سے کام نہیں لیا ہے۔ کمالِ مشق کا ہر مصرع آئینہ دار ہے اور ہر رباعی سے ذی کمالی ہویدا۔

پنجانوے رباعیاں جن کو انگریزی ترجمے کے ساتھ میں پیش کر رہا ہوں، اُن میں اکثر و بیشتر فلسفیانہ اور صوفیانہ رنگ کی ہیں لیکن بعض بعض رباعیاں ایسی بھی ہیں جن میں کہیں تو پیری کا فسانہ ہے اور کہیں شباب کی فراموش شدہ داستان یارینہ۔ کہیں ارباب وطن کی ناقدری کا ناموش گلہ ہے اور کہیں کوتاہی کمال پرستی کا بجا شکوہ کہیں اگلوں کی یاد پر آنسو بہلے گئے ہیں

اور کہیں "برخود غلط" راہبروں کی رہنمائی اور اُن کی اندھی تقلید سے متنبہ کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ۹۵ رباعیوں کا یہ مجموعہ بوقلموں اور رنگارنگ گلہائے مضامین کا وہ جاذب نظر اور فرحت بخش گلدستہ ہے جو اہل نظر کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

کسی رباعی میں دوسرے کے خیال سے بھی استفادہ حاصل کیا گیا ہے، مثلاً خیّام کہتا ہے ؎

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست
تاریک دلم نورِ صفائے تو کجاست
ما را تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی
این مزد بود لطف و عطائے تو کجاست

شاؔد لکھتے ہیں ؎

لاکر مجھے دنیا میں جو مہمان کیا
کیا کچھ نہیں میرے لیے سامان کیا
طاعت پہ نہ بخشا کہ یہ مزدوری تھی،
یوں بخش دیا تو اور احسان کیا

کسی جگہ خیّام کے عقیدے کے خلاف اور اُس سے الگ ہو کر بھی کہہ گئے ہیں۔ خیّام جبر کا قائل تھا چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

از رفتۂ قلم ہیچ دگر گوں نہ شود + وز خوردن غم بجز جگر خوں نہ شود
گو در ہمہ عمرِ خویش خونابہ خوری + یک قطرہ ازاں کہ ہست افزوں نہ شود

لیکن خیّام کا یہ جبر مذہبی اعتقاد پر مبنی نہ تھا بلکہ فلسفیانہ دلائل و براہین پر
اُس کا یہ عقیدہ اُس کی فلسفیانہ تحریر سے بھی ثابت ہوتا ہے فلعل الجبریۃ
اَقرَبُ اِلی الحقِّ فِی بَادِی الرَّای وَظَاہِرِ النَّظرِ - (شاید یہ جبریہ فرقہ
حقانیت سے زیادہ قریب ہے یعنی اُن کی رائے زیادہ باصواب معلوم ہوتی ہے)
شادؔ اس اصول کے خلاف اور اس عقیدے کے مخالف فرقے کے ہم نوا تھے فرماتے ہیں

یہ سچ کہ ہجوم کار میں رکھا ہے ٭ یہ جھوٹ کہ اضطرار میں رکھا ہے
قانون میں فطرت کے نہیں جبر روا ٭ سب کچھ ترے اختیار میں رکھا ہے

اُستادِ مرحوم کی رباعیوں کے متعلق جو چند سطریں عرض کی گئیں،
وہ محض ضمناً تھیں، آج میرا اصل فریضہ اظہار تشکر و امتنان ہے سب
پہلے میں اپنے محترم مولانا **مناظر احسن** صاحب ظلہ العالی کا شکر گزار ہوں کہ
میری گزارش پر آپنے بہ طیب خاطر لبیک کہی اور ایک جامع و مدلل فاضلانہ
مقدمہ، رباعیات شادؔ کا لکھ کر بھیج دیا، جس نے رباعیات شادؔ کے ان
اہم نکات کو واضح کر دیا ہے، جہاں ہر نظر نہیں پہونچ سکتی تھی۔

بعدہ میں اپنی محترمہ **بیگم صغریٰ ہمایوں مرزا** صاحبہ دام مجدہا کا
تہِ دل سے منت گزار ہوں کہ آپنے صرف قلمی ہی معاونت نہیں فرمائی
بلکہ دو سو روپے رباعیوں کی طباعت کے لئے عطا فرما کر طباعت کے بار سے
بھی یک گونہ مجھے سبکدوش کر دیا۔ مزید براں یہ کہ جب میں انگریزی ترجمہ
کر چکا تو میں نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ کسی ماہر انگریزی داں سے اس کو
دکھا لیا جائے تاکہ ترجمہ اس لائق ہو جائے کہ ارباب نظر کے سامنے

پیش کیا جا سکے۔ مجھے اپنی انگریزی پر اتنا بھروسہ نہیں کہ میں بے تکلف اہل علم کے روبرو اپنا ترجمہ پیش کرنے کی جرأت کروں۔ یہ ایک مشکل مسئلہ تھا۔ میں نے اپنی یہ دقت بھی محترمہ موصوف کو لکھ بھیجی۔ آپنے سر نظامت جنگ بہادر ام اقبالہ کو ترجمہ درست کرنے پر راضی کیا اور یہ مشکل اس طرح حل کر دی کہ گویا کانٹے پھول سے بدل گئے۔

میں محترمہ موصوف کی کیا ثنا کر سکتا ہوں جبکہ میرے اُستاد علیہ الرحمہ ہی ان کو "سرتاج خاتونانِ ہند" کے صحیح لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ کیا دُور رس اور حقیقت بیں نگاہیں تھیں! خدا اُن کے مقامات بلند کرے!! آج وہی ہستی اُن کی واقعی اور صحیح معنی میں قدر دان نکلی ورنہ اس دَورِ پُرآشوب میں کون کس کو پوچھتا ہے اور کون کسی باکمال کی ذی کمالی کی قدر کرتا ہے۔ خداوندکریم ایسی ہستیوں کا سایہ تا دیر ہم جرعہ کشانِ پیمانۂ شاد کے سروں پر قائم رکھے کہ جن کی بدولت میخانۂ شاد کی سرمستیاں رندانِ محو آشام کو آج بھی پر کیف و سرشار کرتی نظر آتی ہیں۔ آمیں ثم آمین

آخر میں سب سے زیادہ میں نواب سر نظامت جنگ بہادر دام اقبالہٗ کا رہین منت ہوں کہ گرچہ بہ توسل ہی سہی لیکن آپ نے میرے انگریزی ترجمہ کو صرف بہ نظر خائر دیکھکر درست ہی نہیں کیا بلکہ نثر کو نظم سے بدل گرمی یک آتشہ کو دو آتشہ کر دیا۔

میں نے ترجمے میں بقول آغا شاعر قزلباش دہلوی، "مکھی پر مکھی نہیں ماری ہے، بلکہ ہر رباعی کے اصل مفہوم کو مد نظر رکھ کر اُس کو انگریزی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ترجمے سے وہی حضرات کما حقہ لطف اندوز ہو سکتے ہیں جو دونوں زبانوں یعنی اردو اور انگریزی سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ترجمے کی دقت وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جو یہ کام کرتے ہیں ورنہ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ **نواب صاحب** موصوف نے جوشؔ کو نظم کا جامہ پہنایا ہے تو اُس سے صرف ترجمے کی زینت ہی نہیں بڑھ گئی ہے بلکہ آپ نے اکثر جگہ بہت سے پوشیدہ خط و خال کو نمایاں کر دیا ہے جس سے حسنِ کلام اور معنیٰ رسی میں کافی اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ آپ ہی کے سے اہل قلم کا کام تھا جو دونوں زبانوں کی کمیت و کیفیت کو مد نظر رکھ کر مئے سخن کو ایک جام سے دوسرے جام میں اس طرح انڈیلے کہ مئے سر جوش کا رنگ کم ہو اور نہ جوش بلکہ کیفیت میں کچھ اور اضافہ ہی ہو جائے۔ سوا ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرنے کے اور اس ہیچمیرز و ہیچداں کے پاس کیا ہے کہ پیش کش کرے

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف!

خاکپائے **شاد**
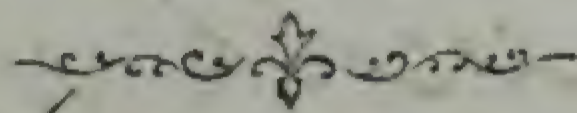
حمید عظیم آبادی

حمید منزل
لودی کٹرہ۔ پٹنہ سیٹی
۱۸-۱۱-۱۹۴۵ء

ہو الباقی

رباعیات شاد

مسمّٰی بہ

گنجینۂ عرفاں

مع

انگریزی ترجمہ (منظوم)

از

سر نظامت جنگ بہادر

حیدرآباد

با اہتمام

حمید عظیم آبادی

رقمہ علی حسن عظیم آبادی

پر وہ کسی طرح مقبول ہوا
افسوس نصیبی ہی تنک مجہول ہوا

اللہ ری دور اندازی عقل انسان
معلوم ہوا جو تھا وہ اور مجہول ہوا

شاد عظیم آبادی

2

Those votaries, they but seem to ask
for blame,
Who're bending o'er their beads to
name Thy name—
A name that should be named without
account;
Yet they forsooth must count, recount
the same !

Nizamat Jung

1

A notion unconfirmed remains our
thought—
Where even certainty with doubt is
fraught.
For lo! man's intermeddling reason
makes
Unknown what erst was known—
makes aught as naught!

Nizamat Jung

۲

کیا مفت کا زاہدوں نے الزام لیا
تسبیح کے دانوں سے عبث کام لیا
یہ نام تو وہ ہے جسے بے گنتی لیں
کیا لطف جو گن گن کے ترا نام لیا

شاد عظیم آبادی

اس سال نہ شیشوں کو توڑو یارو
جب آئے عید میں سمت منہ موڑو یارو
سب کہاں ان تیغوں کو جھیلا ارمن
اکتا کے مری روح نے جی چھوڑو

شاد عظیم آبادی

3

Life's fetters I have broken. In
dismay
I turn my face tow'rd death. No
more a prey
To woes it could not bear, my
wearied soul
Now flies from out its earthly home
away!

Nizamat Jung

4

Whatever be thy suffering, bear thy pain.
Be of good cheer; let not thy tongue complain.
There is a Seraph's voice in every breath
"Tis so ordained and thou shalt yet remain".

Nizamat Jung

ہ

جو کچھ ادا ہوئیں سو سزا ہوگی
اے شاو زباں سے کچھ جزا ہوگی

ہر سانس پہ رو میں یہ آواز ہے پیش
یہ حکم کہ شکر نعمت بجا لانا ہوگا

شاد عظیم آبادی

٥

اس زمانے میں یک جان آنا ہے

پیری کی ہوا اب آج زمانا ہے

پروانے عبث ہیں مجھے گھیرے ہوئے اے شاد

میں شمع سحر ہوں مرا کیا ٹھکانا ہے

شاد عظیم آبادی

5

Life's feast I soon must quit, for age
is here,
What though I still live on, the end
is near.
Life's joys are moths that vainly
round me throng—
A morning lamp, a light to dis-
appear.

Nizamat Jung

6

An age-long sufferer I, 'twas mine to share
Whatever life should bring of grief and care;
And if at last my burdened heart gave way,
The burden sure was more than it could bear.

Nizamat Jung

۶

یک چند گراں عمر کا آزاری تھا
دکھ درد کے سن سے بس عاری تھا

دل بیٹھ گیا تو یوں اٹھے کیونکر بوجھ
مزدور کی طاقت سے بہت بھاری تھا

شاد عظیم آبادی

۵

جس وقت کا ڈر تھا وہ شتاب آپہونچا
ہنگام رحیل و یار اب آپہونچا
جاگو جاگو کہ حشر کب سوتا ہے
جو نیند سے چونکے تو وقت عذاب آپہونچا

شاد عظیم آبادی

7

That day of dread, how fast it draweth nigh!
The season of our parting draweth nigh!
Awake ye all who'll sleep till Judgment Day!
Awake awhile, for Death's sleep draweth nigh!

Nizamat Jung

8

'Twere idle sport, fair word and kindly smile
And soft address—a pastime for a while !
The heart, alas, would have no place to live
If love were but a whim that did beguile.

Nizamat Jung.

۸

کیا لطف تخاطب و تکلم نکلا

بیکار تہ لطف و تبسم نکلا

عشاق پھرا دیئے شاد کہیں نہ بنے

اندھیر ہی کیسر ہے ف تو تم نکلا

شاد عظیم آبادی

۹

الکن ہوئی زباں میں جو دھیان آ گیا
کیا کچھ نہیں سمیٹے لئے سامان آ گیا
طاعت پہ بخشتے کہ وہ مزدوری بھی
یوں بخش دیا تو اور احسان آ گیا

شاد عظیم آبادی

9

He brought me to this world, a favoured guest ;
Nor aught withheld that gratified my breast ;
Nor aught bestowed as wage for task ordained :
His bounties were free gifts—without request.

Nizamat Jung

10

Who can forget the taste of pain and
woe ?
They well might ask me, who would
wish to know.
But silent I must be; I'm not to say
All that the Giver did on me bestow.

Nizamat Jung

۱۰

بھولا نہیں رنج و غم کے کھانے کا مزا

پوچھے کوئی مجھ سے اس فسانے کا مزا

کھوا نہ زبان اپنی اے ذوق سلیم

چکھا ہی نہیں دل نے زمانے کا مزا

شاد عظیم آبادی

۱۱

تھی جس کی تلاش وہ وصال پیچھے ملا

اس کا ہمیں حسرت سوال پیچھے ملا

جا پہنچے بدن بعد یا ضعف کا ہم

جیتا ہو سری کمال پیچھے ملا

شاد عظیم آبادی

11

The boon I souht from life I ne'er
could gain,
For life did bring me but regret and
pain.
Full forty years of longing—and its
fruit,
The spirit's travail, and illusions vain!

Nizamat Jung

12

They'll still abide—the yearning, the regret
For thee, of whom the like was never met.
Far did I roam, but nothing could I find
Like thee, O joy of youth remembered yet!

Nizamat Jung.

۱۲

کیوں کر نہ بنے غم نہانی تیرا
دنیا میں بہت کون ثانی تیرا
ہم لے کے عصا دور تلک ڈھونڈھ آئے
کوسوں نہیں نام اے جوانی تیرا

شاد عظیم آبادی

۱۳

بیجا ہوش تھا ہر وقت کہ بیہوش پڑا تھا

یا ذوق لقا نے خواب دکھلایا تھا

کل ہجر تو سلانے کی آئی نیند اے غم

جس نیند سے تو نے آج چونکایا تھا

شاد عظیم آبادی

13

Say, was I conscious, or unconscious aye ?
Was it a dream, this zest of life ? O say !
O age ! O time ! Bring ye the morrow's sleep,
When from our sleep ye waken us today ?

Nizamat Jung

14

The grave is now my home, the time
has come !
Beware O heart, the fated call has
come !
The courier with the summons on
his way-
If not today, tomorrow he will
come !

Nizamat Jung

۱۲

ٹھہر نہ اب وہ محمل آ ہی گیا

ہشیار کہ سفینہ مرا اجل آ ہی گیا

لے کر خط شوق چل چکا ہے قاصد

ہونی نہ اگر آج تو کل آ ہی گیا

شاد عظیم آبادی

۱۵

دیدار ترا ہمارا اے صنم وجہ حیات
رکھتا ہے ترا فراق ایذائے ممات

ہو جس طرح کہ نور وجہ ظلمت کا
ایمان ہو موقوف آپ کے عدل میں ثبات

شاد عظیم آبادی

15

To be in life is but to be with Thee ;
Life were disparted if afar from Thee ?
E'en as the cause gives life to its
effect,
'Tis faith in Thee gives troth its
verity.

Nizamat Jung

16

We are in life, yet live as though we're not !
We seem awake and yet with sleep are fraught !
What of the joy of life ? to us unknown !
Mourning, we know not how to mourn our lot !

Nizamat Jung.

۱۶

دنیا میں جو ہیں بھی تو نہ ہونے کی طرح
جاگے بھی اگر کبھی تو سونے کی طرح
ہنسنا تو بڑی بات ہے اس کا کیا ذکر
رونا ہے کہ روئے بھی نہ رونے کی طرح

شاد عظیم آبادی

۱۴

ہیں تنگ دلِ زار اب بھی افسوس

بے چین ہیں اضطرار اب بھی افسوس

ساقی تکلیفِ مے نہ کر وقت ہے بس

محروم ہیں اس ثواب سے اب بھی افسوس

شاد عظیم آبادی

17

A wearied of a wayward heart, alas !
Still restless and perturbed in life,
alas !
Love pines in absence—spare that
cup of wine !
I feel deprived of e'en this grace,
alas !

Nizamat Jung

18

Life's phantoms—Oh, what guileful
lights they show !
Allured by them to fall, be it not so !
O toiler in life's journey, be thou
ware !
'Tis guile and glamour which they
round thee throw !

Nizamat Jung

۱۰

دو غول ہیں جو دکھاتے ہیں مشعل

ڈرتا ہوں کہیں گرا نہ دیں منزل

اک راہرو سادہ منزل عمر

دھوکا ہی کا سمجھ کے جو چلے چل

شاد عظیم آبادی

١٩

کہتا ہے یہ دل کہ قابلِ غور ہیں ہم
وہم اس میں ہیں، ورنہ کہ یہ ہم کچھ ہیں ہم
دھوکا بھی غلط، وہم بھی غلط، شک باطل
سچ یہ ہے تو یقین کر کہ کچھ اور ہیں ہم

شاد عظیم آبادی

19

The heart gives us assurance ' we
are aught ' !
Doubt not we live in truth, not in
mere thought.
Illusion ? Notion ? Nay, believe not
this.
Of Him we are, without whom we
are naught !

Nizamat Jung

20

In idle dreams men seem to lose
their sight ;
Some in their native clay seek vain
delight.
Thus drunk on their own thoughts all
men are found ;
Not one seems free in this assembly,
quite !

Nizamat Jung.

۲۰

ہو غرق کوئی تصور یا خیال میں
بے وجہ ہو کوئی جوش اس آب و گل میں
ہم مست ہیں خیال سبو پایا
خالی نہیں ایک اس بھری محفل میں

شاد عظیم آبادی

تنہا ہے چراغ دور پروانے ہیں
اپنے تھے جو کل آج وہ بیگانے ہیں

برہمن و شیخ کا نہ پوچھو احوال
قصے ہیں کہ انساں میں افسانے ہیں

شاد عظیم آبادی

21

The lamp stands lone; the moths have
flown away,
They're strangers now, those friends
of yesterday !
Why ask about, . false world's
changeful hue ;
A tale, a frenzied fable, one might
say.

Nizamat Jung

22

We're being ferried o'er Life's flowing tide,
And some day we shall reach the landing side.
It is our fate ordained, that we must die.
Why then be vain O heart? Why swell with pride?

Nizamat Jung.

دریاے وجود سے گذر جاتے ہیں
ہر روز اسی گھاٹ اتر جاتے ہیں
ای شاد کسی سے کل کی لیکن پوچھو
سیدھی تو یہ بات ہے کہ مر جاتے ہیں

شاد عظیم آبادی

کیا خوف ہو دنیا سے گذر جانے میں
کیوں ڈرتے ہو شاد اپنے گھر جانے میں

پھر جو ہوئی زندگی میں راحت کیسی
راحت تو ہوئی میری جان مر جانے میں

شاد عظیم آبادی

23

To quit this world—is this what thou
dost fear,
O heart, to reach thy home when it is
near ?
Ah, why rejoice in living— life is
naught,
In death will it as happiness appear !

Nizamat Jung

24

pray to God for death each day and night,
Grief's poisoned cup I'm quaffing with delight.
And how goes life with me ? Nay, do not ask.
I live in hopes of death, in life's despite !

Nizamat Jung

منکی وفاق سے سرگرداں ہیں

کس شوق سے ادر عمر اپنی جاتے ہیں

کس سے

یونکہ کشتی پہ بیٹھے ذرا پوچھو ا

ہم کس امید میں یہ جاتے ہیں

شاد عظیم آبادی

کوہِ الم و غم سے دبا جاتا ہوں
ناحق پسِ کارواں بچا جاتا ہوں
اس تن سے کہ تنگ ہے نکل جلد اے روح
تو قیدی کے دم میں گھٹا جاتا ہوں

شاد عظیم آبادی

25

I lag behind o'erburdened with my
woe ;
The Caravan moves on, I can not go.
O spirit mine, O quit this rigid frame.
Dost thou delay when I am ebbing
low ?

Nizamat Jung

26

How heedless are they all, both young and old !
In the same whirlpool are they, drowning, rolled.
Death warns to rouse but they will not be roused.
What is this sleep that grips them in its hold ?

Nizamat Jung.

۲۶

جو شیب میں غفلتیں وہی شباب میں ہیں
ڈوبے ہوئے دونوں ایسی گرداب میں ہیں
یہ چونکے تو کب اجل پہ چونکے افسوس
معلوم نہیں کہ اب کس خواب میں ہیں

شاد عظیم آبادی

اخلاق نہ الفت نہ مداراتیں ہیں
ناقدر شناسیوں کی سب گھاتیں ہیں

کہتے ہیں اساتذہ میں باتیں تھیں کہ آہ
ہم بھی تو نہیں شاد وہ کیا باتیں ہیں

شاد عظیم آبادی

27

Scant love, or grace, or courtesy is
shown
By them who others' merits will not
own.
" Not such, " they say "The masters'
ways of old,"
And what those were, I wish it were
made known !

Nizamat Jung

28

None so ill doomed upon this earth as I,
Whose sins the virtues of his life belie.
A useless letter scrawled upon life's page—
Efface who would, no blame on him would lie.

Nizamat Jung

٢٨

مجھ سا کوئی دنیا میں بد انجام نہیں
جز شغل سخن اور کوئی کام نہیں

میں حرف غلط ہوں صفحۂ عالم پر
ہر کوئی مٹا کے دیکھ انجام نہیں

شاد عظیم آبادی

۲۹

مسلک جو الگ الگ نظر آتے ہیں
یہ دیکھ کے راہ رو بہک جاتے ہیں
رستے کا فقط پھیر ہے دیر و حرم
منزل پہ پہنچتے ہیں تو مل جاتے ہیں

شاد عظیم آبادی

29

Oh. divers are the pathways that we
see,
And travellers are aghast that such
they be.
But devious though the routes, yet all
at last
Meet in one place ordained by
destiny.

Nizamat Jung

What longings are there not within our clay !

What hopes newborn within us day by day !

The tangle of our thought unravels not,

Alas ! we live entangled,—in dismay !

Nizamat Jung.

ہو

کیا کیا نہیں آرزوئیں آب و گل میں

امیدیں بنی تھی ابی اپنے دل میں

سمجھی تو جب ال ال کی سمجھی ہی نہیں

افسوس پھنسا دیا ہے کس مشکل میں

شاد عظیم آبادی

۳۱

طینت میں بدی نہ کھوٹ ہم رکھتے ہیں
پردا ہے نہ کوئی اوٹ ہم رکھتے ہیں
سونا کیسا اگرا ہے تپتے ہیں تب ہم
پہلو میں غضب کی چوٹ ہم رکھتے ہیں

شاد عظیم آبادی

31

No ill-will dwells within my heart,
no spite ;
I have no screen to hide it from men's
sight.
If sleepless nights I spend in ceaseless
groans,
'Tis from some secret pain without
respite.

Nizamat Jung

32

I pined in secret sorrow, silently
Not full of words—as erst I used to
 be.
Yes, pining, wearing, wasting to decay
The light that flared up high, sinks
 rapidly !

Nizamat Jung

خاموش ہو کے بیٹھ رہیں اپنے گھر میں

اگلی سی کہاں جب بات اب اس زمانہ میں

گھل گھل کے فنا ہو گئے ہم آخر تک

نہ بجھی شمع و جل کے گئی آگ زمیں میں

شاد عظیم آبادی

۳۴

مرنا ہے جو ایک دن تو کیوں ڈرتے ہیں
یہ بات خوشی کی جب کا مرتے ہیں

مرنے کے لیے اگر جئیں زیبا ہے
جینے کے لیے لوگ عبث مرتے ہیں

شاد عظیم آبادی

33

Since die we must some day, why fear to die?
Death brings release; then why bemoan it—why?
We live to die! 'twere well for all to know,
Who pining still to live, thus daily die!

Nizamat Jung

34

With voice of song—a gift as from
on high,
I'm one of you, my friends no stranger
I.
An Eastern star, may be, whose wan-
dering beam
From East to West on lustrous wings
shall fly !

Nizamat Jung.

٣٤

روشن ہوں کہ شانِ انجمن آرا ہوں میں

سمجھو نہ مجھے غیر تنہا ہوں میں

مغرب میں شعاعِ مہر کی ہو گئی آخر زرد

مشرق کا یہ گلستاں ہوا آرا ہوں میں

شاد عظیم آبادی

۳۵

ناموں پہ نثار ہونے والا میں ہوں
اس رنج پہ جان کھونے والا میں ہوں
سب تو واصل ساحل آرزو ہیں لیکن
اشکوں کا ایک رونے والا میں ہوں

شاد عظیم آبادی

35

A votary of time-honoured names am I,
A mourner of past grandour, too am I.
Death came to wipe from other eyes their tears ;
But still a mourner of the dead am I !

Nizamat Jung

36

Why hide the truth ? Inebriate am
I.
What of my life ? Heedless of forms
am I.
To drink my fill and then fall at His
feet
Full of such longing and such faith
am I !

Nizamat Jung

۳۶

کیوں بات چھپاؤں بادہ نوش ہیں ہم

دنیا کیسی کہ دیں فراموش ہیں ہم

حسرت ہی کروں تو ہائے ساقی توبہ

جب خوب نشہ ہے تب ہی مدہوش ہیں ہم

شاد عظیم آبادی

۳۵

جب دل میں غبار ہو تو وہ دل صاف کہاں
پھر خلق کہاں وفا و الطاف کہاں
جب قوم میں آ گیا تعصب کا قدم
اُس قوم میں اخوت و پھر انصاف کہاں

شاد عظیم آبادی

37

The heart that bears ill-will, can it
be clean ?
Or kind, or sympathetic or serene ?
The heart where bigotry has found its
way,
No vestige there of justice would be
seen.

Nizamat Jung

38

Whether oppressed with sorrow, or
elate,
Far from the Tavern pitious is my
fate!
Oh! better than a hundred years of
life
One hour of joyousness inebriate!

Nizamat Jung

۳۸

بشاش کہ مخمور ہیں ہستی میں
میخانے کی دوری نے رکھا بستی میں
بہتر ہیں کہیں سو برس کے جینے سے بھی
تھوڑی سی گھڑی ساعت جو کٹی مستی میں

شاد عظیم آبادی

39

The secret's unrevealed—'re we, or
not ?
Companionless or companied in our
lot ?
Should we assume we're not ? Upon
what grounds ?
And if we are—are we so but in
thought ?

Nizamat Jung

40

Make me sad or glad—just as you
will ;
You're free to think of me—or well or
ill.
I'm dust—as dust you'll take me, but
I pray.
Despise it not for 'tis your country's
still !

Nizamat Jung

ہم

ناشاد کرو کہ دل مرا شاد کرو
منت ہے اگر ہو جس طرح مجھے یاد کرو
میں خاک ہوا ہوں مجھ کو خاک سمجھو لیکن
اس پیرہن تن کو تو نہ برباد کرو

شاد عظیم آبادی

۲۱

ہیں کلام الٰہی سے سراپا ہوش
تسبیح میں اس کی جن و وحوش
دلچسپ زبان حال سے کہتے ہیں
دریا نے کی جانب خاموش

شاد عظیم آبادی

41

Where marvels aye are wrought, all
hearts beware !
To bow before Him still—be this our
care !
E'en from the dust the voiceless dead
proclaim
" Be silent all, for Silence is our
share " !

Nizamat Jung

42

Laugh if thou wilt, or if thou wilt do
weep.
Thy life was lent to thee—to lose or
keep
Why turn from side to side—and for
how long ?
Awake, if so thou wilt, or lie asleep.

Nizamat Jung.

۴۲

ہنسنا ہو تو یوں ہنس جو تجھکو رونا ہو تو

جینا ہو تو جی جان جو کھونا ہو تو

اے شاد وہ دیکر دیں بدلنا کیسا

اٹھنا ہو تو اٹھ جو بیٹھ سونا ہو تو

شادؔ عظیم آبادی

۴۳

مہر ہو ماہ ہوں انجم ہو دوبالا دیکھو
نور دو رس کا ہاتھ میں قبالا دیکھو

روشن ہو کہ میری شب عمر آخر ہے
بجھتی ہوئی شمع کا اجالا دیکھو

شاد عظیم آبادی

43

I mount the pulpit—see me raised full high!
And in my hand the pass to heaven descry!
And yet my life's a light that wanes, behold,
The taper flickers, for the end is nigh!

Nizamat Jung

44

Those great men of the past—their
work behold—
Were men of worth and fame—your
sires of old.
You saw me too—youth fading into
age ;
Come, now the change from age to
fame behold !

Nizamat Jung

۴۴

اٹھ کے بلا کی جاں فشانی دیکھو
اسلاف کی اپنے قدر دانی دیکھو
دیکھا ہے جوانی کا بڑھاپا تم نے
اب بڑھاپے کی جوانی دیکھو

شاد عظیم آبادی

۴۵

عاقل کڑی بڑی کو جو سنبھالے دل کو
دانستہ بلاؤں میں نہ ڈالے دل کو

کل تجھ سے نہ بن پڑے گا کل جب کچھ بھی
ہو وسعت اس اس وقت بنا لے دل کو

شاد عظیم آبادی

45

Who keeps his heart well guarded, he is wise;
Nor yields it unto evils that surprise.
Perchance tomorrow all will go awry.
The time to guard the heart is now—it flies!

Nizamat Jung

46

His love doth crown the ruins of my heart,
While others seek to claim Him on their part.
O, Name that lives within my heart enshrined
On every lisping tongue as 'God' thou art!

Nizamat Jung

۴۶

اے شاد کیا ہے جس کی الفت نے تباہ
اپنا سا بنا لیا اُسے غیر نے آہ
جو نام چھپا ہوا تھا سب کے دل میں
وہ نام زبانوں پہ ہے اللہ اللہ

شاد عظیم آبادی

48

The story of thy life as it hath been
From thine own lips I heard—as thou didst mean.
The world's asleep, 'tis God alone awake—
Such is the moral of all life that's seen.

Nizamat Jung

۸۴

گزری جس طرح زندگانی
یہ سن چکا قصہ خواں زبانی
سوتا سنسار جاگتا پایا آخر
یہی تھی اسی وقت کی کہانی

نادر عظیم آبادی

۴۹

ویران ہوئی مرے گھر کی بستی نہ رہی
جیسی کہ تھی آباد کہیں نہ رہی

امید میں پیری کی جوانی کو تھا
افسوس وہ امید بھی جاتی رہی

شاد عظیم آبادی

49

Now life is waning, death brooks no
delay.
No joy of living's left within this clay.
In hopes of reaching age my youth
was spent.
That hope has vanished now—Ah,
well-a-day !

Nizamat Jung

50

Wisdom upholds thee, 't was not given in vain,
And soon will now be cut thy prison chain!
'Tis life's last stage for thee, be glad at heart,
But cautious every step. Be this thy gain.

Nizamat Jung.

۵۰

مقصود وجود سے آگہی ہے تیری
اب [illegible] ہے تیری
[illegible] منزل آخری ہے تیری
ہر گام پہ سنبھل کہ پیری ہے تیری

شاد عظیم آبادی

52

My body's failing strength has vanished quite ;
My back is bent, and clouded is my sight ;
My youth once keen of zest, has fled from me
And made me o'er to feeble age outright !

Nizamat Jung.

٥٢

طاقت تن ناتواں کی سب دور ہوئی
حس ہو گئی بیشتر آنکھ بے نور ہوئی
کیا شوخ مزاج تھی جوانی میری
پیری سے ملا کے آئی کافور ہوئی

شاد عظیم آبادی

۵۳

صد شکر کہ قوم قدرداں ہے میری

اک عمر سے آج ہمزباں ہے میری

پیری میں ریاضت کا ملا ہے ثمرہ

سب پھول کھلے جب کہ خزاں ہے میری

شاد عظیم آبادی

53

My heart is grateful, for my
people own
My worth, whose life-long work to
them is known.
In age I reap the fruits of all my
toils ;
'Tis as though Autumn brought
Spring-flowers new-blown !

Nizamat Jung

54

In joys lie hid the signs of coming woe—
Our days of feast and fast together go!
The boughs that bear the withered buds of grief,
May bid new buds of hope thereon to blow!

Nizamat Jung

۵۴

ہوتی ہیں دو تین بہم غم کس کے نصیب بھی
ایامِ عزا کے ہیں بہم عید بھی

جس شاخ میں حسرتوں کے پھول آئے ہیں
پھلتی ہیں یاس کی شاخ میں امید بھی

شاد عظیم آبادی

۵۵

اس فصل میں بنتی ہے عیش و عشرت اچھی
ہو قلقل کا جہاں ہو غل وہ صحبت اچھی
ہو موسم گل ایسے میں پینا ہو تو پی
ہو وقت پہ ہو وہی عبادت اچھی

شاد عظیم آبادی

55

This is the season when life's joys
are sweet,
And truth is voiced where boon com-
panions meet.
Now like the season's flowers be
drunk on joy !
Thus let the heart its timely pray'r
repeat !

Nizamat Jung

56

This body is a prison-house of
care ;
From which on lightsome wings the
soul shall fare.
What they call living is a heavy
sleep ;
And what is death ? The awakening
there !

Nizamat Jung

۵۶

جب تک کہ رہی جسم ایک گرفتاری ہے
جب روح جدا ہوئی سبکباری ہے
جینا کہتے ہیں جس کو ہے خواب گراں
مرنا کیسا یہ تو عین بیداری ہے

شاد عظیم آبادی

۵۸

جو چاہیں وہ کہنا نہ وہ کہتا ہیں
ہر شے پہ بس ان کی ہو یہ کیا کیا ہیں

اوروں کا سمجھنا تو بہت مشکل ہے
خود کیا ہوں اسی کو نہیں سمجھے ہیں

شاد عظیم آبادی

57

I did not see all that I should have seen ;
I looked at things and asked "What do they mean"?
To know what others are, was not for me,—
I do not know what I myself have been !

Nizamat Jung

58

Childhood and youth, each as a stage
I saw ;
Then with the flight of time old age
I saw.
Interpret life who can, all are asleep ;
Life as a passing vision strange I saw.

Nizamat Jung.

۵۸

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے
پیری کا بھی انقلاب دیکھا ہم نے
نیند آئی اب سوتے ہیں
اک عمر عجیب خواب دیکھا ہم نے

شاد عظیم آبادی

۵۹

یا بیچئے غم بساں دل مضطر

یا جیئے ہم آ کے اُٹھا دل و دنیا پھر

پیدا ہی نئی ہو اصول پائیں ایک

یا چل کیا تو بیچ ہے

شاد عظیم آبادی

59

How vent the heart that's harrassed
by its woe ?
How bear those wrongs that plan its
overthrow ?
Oh, but to dream that I had ne'r
been born !
Hast Thou forgotten me, who mad'st
me so ?

Nizamat Jung

60

'Tis true He keeps thee busy in life's
toil,
But not to harrass, not thy hopes to
foil.
Oppression has no place in Nature's
law ;
None can thy heart of its free will
despoil.

Nizamat Jung

٦٠

یہ سچ ہے کہ بچھو کا ٹیں کھاوے
چھوٹے کہ اضطرار میں کھاوے
قانون میں فطرت کے نہیں جبر روا
سچ ہے ترحم سے تسلا یہی کھاوے

شاد عظیم آبادی

١٦

کیوں صورت جام میں دکھایا تھا مجھے
دنیا میں عدم سے کیوں بلایا تھا مجھے

آتی ہے صدا شکستِ دل سے
جب توڑ دیا تو کیوں بنایا تھا مجھے

شاد عظیم آبادی

61

Why didst Thou form me as a Wine-
Cup fair ?
Sent from non-being to this world of
care ?
Now, harken to the broken Goblet's
sound :
" Why make, then break ? Was I
such doom to share ".

Nizamat Jung

62

Far from the Festal Throng I'd ne'er remain ;
Sorted with those who sought life's joys to drain.
E'en like the flickering taper moved our tongues,
And were not stilled till light was quenched again.

Nizamat Jung

۶۳

اس بزم میں ہے دو ہی گھڑی روشن ہو
ہم صحبت یاران انجمن ہو

جلتی رہی شمع کی طرح مستی میں بے
آخر ہمہ جل بجھے تو فنا مدفن ہو

شاد عظیم آبادی

۴۳

کیا وقت ضرورت یار کام آئیں گے

بیچ قطرے کی جو بن کے ساتھ آئیں گے

اغیار سے امن نہ سہی مجھ کو ہے

سایہ بھی یہ تن سے نکل جائیں گے

شاد عظیم آبادی

63

What need of hermit's garb hath piety?
Is not for self-display, his rosary?
Oh! spare me, holy man, thy winsome wiles,—
Much do I fear for self-applause they be!

Nizamat Jung

64

How shall I tell the tumult of my heart ,
Nor pensive nor elated on its part ?
Yearns for The Presence which for many a day
Abideth with me, mirrored in my heart.

Nizamat Jung

65

The bird's aswoon, enraptured o'er
the flower ;
The taper's light wanes in the morning
hour !
The night of woe is passing, say adieu !
You beams ! Behold , 'Tis dawn— the
night is o'er !

Nizamat Jung

66

Here but to bear contumely I came,
And to be caught in toils of woe and
blame
The world has naught to lose but we,
alas,—
Our two day's life is all reproach and
shame !

Nizamat Jung.

آتے ہی یہاں مورد الزام ہوئے

آفت میں پھنسے بستۂ صد دام ہوئے

دنیا کا تو تھا کسی کچھ نہ بگڑا لیکن

دو دن کے لئے مفت میں بدنام ہوئے

شاد عظیم آبادی

٦٧

ساقی سے کرم ہے فیض جاری

یا پیر خرابات کی غمخواری

صف تو آئے سب اری ہوا دن عشق پر

معلوم نہیں کہ میری ہے کس کی باری

شاد عظیم آبادی

67

The Bearer of the Cup is gracious, kind ;
The Master Pevel's bounty, unconfined
The Cup is passed round unto one and all ;
But when my tnrn will come, I'm yet to find.

Nizamat Jung

68

The sighing breath of love, from lovers learn!
The taste of death, from living hearts that burn!
Thy mournful plaints of love but little avail,
O nightingale, learn thou to speak in turn!

Nizamat Jung

۶۸

دم الفت معشوق کا بھرنا سیکھ
ہم زندہ دلوں سے آکے مرنا سیکھ

نالوں کی صدا میں بھی جوش اتنا نہیں
بلبل سے کچھ بات تو کرنا سیکھ

شاد عظیم آبادی

۴۹

دل ضعفِ جہاں سے سخت آزردہ ہے
آفت میں یہ پھنسا ہوا افسردہ ہے
اس باغ میں پھول آرزو کا تھا جو
کچھ ایسی ہوا چلی کہ پژمردہ ہے

شاد عظیم آبادی

69

The world's harsh ways are such, my heart is sore ;
Beset with woes, it saddens more and more.
A single flower in my garden bloomed ;
A fierce wind reft it of the bloom it bore !

Nizamat Jung.

Let every pulsing of my heart be Thou!
And be of each intent the object Thou!
Oh! may mine eyes upraised Thy glory see!
And may my head low bent unto Thee bow!

Nizamat Jung.

ہر دم ہے دل میں بس وہی موجود ہے
ہر قصد میں بار بار وہی مقصود ہے
جب آنکھ اٹھاؤں تیرا جلوہ دیکھوں
جب سر کو جھکاؤں تو وہی مسجود ہے

شاد عظیم آبادی

۱۵

ہر آیۂ مضمون ادق ملتا ہے
جب دیکھیے اک تازہ ورق ملتا ہے
ہر دفعہ کتاب راز قسمت کھلتی ہے
ہر روز نیا ایک سبق ملتا ہے

شاد عظیم آبادی

71

Each time a deeper mystery is shown,
Where e'er we look, a fresh page open thrown!
The book lies open every day and night,
And every day a newer lesson 's known.

Nizamat Jung

72

The preacher in the pulpit gibes at
those
Who love the wine cup—at each
sermon's close.
Let him be just and say which is the
worse—
Wine-bibbing or such malice as he
shows !

Nizamat Jung

۴۲

واعظ جب تک کہ سرِ منبر ہی
رندوں کی طرف روئے سخن آتا ہی
انصاف سے اتنا تو بتا دو کوئی
کیا کیسہ کشی سے متقی ہوتا ہی

شاد عظیم آبادی

۳۵

الٰہی جس پیالہ میں نیستی ہستی ہو

پیتی ہیں یہ کوئی اوج میں ہستی ہو

جو جام الست میں پلایا ہے

[illegible] کی مستی ہو

شاد عظیم آبادی

73

With thought reversed, to be is not
to be !
In depth a height, in height a depth
I see !
Some charm'ed cup drunk in life's
primal morn,
Has caused a ferment in my head,
may be !

Nizamat Jung

74

How long soe'er our life, we have
to die';
And all life long our passing breath's
a sigh.
Think what is Hell—' tis but to pine
in woe ;
And what is Heaven—some bliss
that's ever nigh !

Nizamat Jung

۴۲

کشتی ہی حباب آب ہو گزاری

تا عمر اے زیست کا دم بھی بھاری

دوزخ کیا بنا ہو جو غم ہجر نہ بنا

مینا ہو کہ شیشہ دل کا تو ہے سینا

شاد عظیم آبادی

۲۵

مجبور ہے حسن وقت تگ و دوری
جو فعل ہے معنوی ہے نہ صوری
زاہد کی عبادت ہے بہشت کے لالچ
اے شاد عبادت نہیں مزدوری

شاد عظیم آبادی

75

The heart while far from whom it
doth adore,
Yields seeming reverence—knows
true faith no more.
If worship be for greed of Paradise,
'Tis soulless labour for some wage in
store !

Nizamat Jung

76

'Tis his delight to tease me while he
may,
He knits his brow and turns his face
away,
And when his hand can find a pointed
dart
He fain would 'try it on me, if he
may.

Nizamat Jung

۴۷

دو دن ہوئے عشق نے مجکو ستا لیتا ہو

تمنّا میں جنوں آ کے پھرا لیتا ہو

وہ تیر کہیں سے جس کے اٹھائے آتے ہیں

یہ دل وہ بھی یہ آزما لیتا ہو

شاد عظیم آبادی

۵۹

دل رنج و غم سے دور و پارہ پارہ ہو
ہر لحظہ کوئی گوشہ نیا و تباہ ہو

افسوس کہ اٹھ گئے ہوئے وہ افسوں کا خلا
اب کون کرے میری دوا بستا و تپا

شاد عظیم آبادی

77

How oft it gives my heart a wrench of pain
To hear my own words as though said in vain;
It seems as though a toothless mouth, did turn
My meaning all to idle breath again !

Nizamat Jung

78

Still constant, every mark of truth to bear,
Unseen or seen to be the same fore'er,—
He is a man whose purpose changeth not—
Whose heart and tongue the selfsame purpose share.

Nizamat Jung

۷۸

بدلے نہ صداقت کا نشاں ایک رہے
ہر حال میں پنہاں و عیاں ایک رہے
انساں کو ہے بچاؤ اس دو رنگی سے
لازم ہے کہ دل اور زباں ایک رہے

شاد عظیم آبادی

۵۹

بیٹھے ہیں اک عمر جلایا تو نے
دنیا کا الٹ پھیر دکھایا تو نے
پھینکے سے تری دو زلفوں کا ہمسر
سب سخت نشیب میں بٹھایا تو نے

شاد عظیم آبادی

79

My years of life I've counted sixty
five,
And through the changing world
I've passed alive.
I'm loth to live, and yet afraid to die!
I'm pilloried; and yet I still survive!

Nizamat Jung

80

To praise the Lord, his greatness to
reveal
Is not within our power—whate'er
we feel.
His praise to hymn—it were a task
sublime—
His creatures find it hard in thanks to
kneel !

Nizamat Jung

۸۰

جو حق وہ وصف سب سراپا مشکل ہی
قادر ہو طبیعت رسا تو ممکن ہی

تعریف کا درجہ تو بڑا اونچا
بندے سے تو شکر اس کا ادا مشکل ہی

شاد عظیم آبادی

۸۱

سعد و من حسب الاستکبر ته بیو

مفقود یعلی ستی تقوی ته بیو

کیا شتا و ملا خان اباو ربو

افسوس ته یو کسب اباو ته بیو

شاد عظیم آبادی

81

Our self esteem—it never did abate;
Nor loftiness was low'red—nor soon nor late!
What honour did a titled name confer,
If in our souls we learned not to be great?

Nizamat Jung

82

Awakened from oblivion's sleep
shall rise
All those endowed with souls, in
living guise !
E'en like the shrubs that in the rains
upspring,
We too shall on the day of gathering
rise !

Nizamat Jung.

۸۲

خوابیدہ طلوعِ سحر نیم کلی ہے
ذی روح ہیں لیکن وہ ابھی نیم کلی ہے

ہر ساعت ہیں جس طرح نکل آتی ہیں اور جت
مستغنی ہیں سب اولیا دیوانہ کلی ہے

شاد عظیم آبادی

دی حقیقی حیات ہم جب جان گئے
بیٹھیں آئے خدنگ سے آئے جان گئے

مومنی انہیں کی جان سب میں ہی
جب تک وہ پاس ہیں آئے جان ہیں

شاد عظیم آبادی

The span of life's ordained, that we
shall live;
And we shall spend whatever He
doth give.
The wine of life is His who giveth
life;
We'll quaff it e'en so long as He doth
give.

Nizamat Jung

84

Who pours harsh wine embitters my delight ;
The beaker fills as though it were in spite
Thus in joy's drapery sorrow hidden lies—
The morn of meeting brings the parting night.

Nizamat Jung

٨٢

ساقی مرا عیش تلخ کر دیتا ہی
مینا میں شراب اب جام میں بھر دینا
دیدہ و دل نالاں کو اس خوشی میں بھی
یہ وصل فراق ان سے بدتر دیتا ہی

شاد عظیم آبادی

۸۵

کیوں نہ لیں نقشِ قدم ہمدم رہا

دل جسے ڈھونڈا کیے اب دو بہم رہا

ہنستے بھی ہیں شاد رو لیتے بھی ہیں

ہم پہ دو دن شاد دو دن غم رہا

شاد عظیم آبادی

85

Why not averse from life when joy
is fled,
And comrades who made life a joy
are dead ?
Sometimes I smile, sometimes I speak
a word,—
Same man, yet not the same, it may
be said.

Nizamat Jung

86

His name is on our lips both day and night,
His word is blazoned on each heart in light.
Who breathes exists, but they alone will live,
Whose names live after them in death's despite.

Nizamat Jung.

٨٦

ہو وردِ زباں پہ صبح و شام اس کا ہو
منقوش ہر اک دل پہ کلام اس کا ہو
بچنے زمانے میں تو سب سے حبیب
جو سب سے بڑا ہے ان میں نام اس کا ہو

شاد عظیم آبادی

۷۸

اللہ یہ باطنی تسلی

ہر حال میں مطمئن ہی دل ہی

مشکل کو کیا تو نے تو سہل اے خدا

اک بار تو اس سے بھی سوا مشکل ہی

شاد عظیم آبادی

87

Man as by instinct towards God is drawn;
The heart of man relies on God alone.
To prove God's being if the task be hard,
Yet to disprove it would be harder known!

Nizamat Jung

88

The hearts of worldlings have I tried
all round ;
Seen many men for piety renowned.
All seemed alike, they were both
good and bad ;
But all beset with selfishness I found.

Nizamat Jung.

٣٨

تولا ہے مزاج اہل زر میں

دیکھے ہیں بہت سے حبا تقوی میں

یکساں ہیں سب ان میں نیک و بد کی ستی

بندہ تھا غرض کہ حسن کو دیکھا میں

شاد عظیم آبادی

٨٩

پیٹتی دونوں ہاتھ ملتی آئی

رنج آتی ہی جسم سے نکلنے آئی

اس نزع کا سب چراغ کی سی ہچکی

صبح ہو گئی دیا بجھا جانے آئی

شاد عظیم آبادی

89

These hands were given me to
wring in pain ;
My soul to quit its tenement again.
And if some named me of this house
the light--
I lived and burned but to be quenched
again!

Nizamat Jung

90

Here is a round by turns, of day and night ;
Unending change that time brings in its flight,
When you and I are gone, the world will be
Till Doomsday as it is—unchanged its pligh

Nizamat Jung

۹۰

یہ دو دن سبھی دن کا کبھی ان کا نسب ہے

سرِ دنش کا زمانے کی یہی مطلب ہے

ہم تمہ اندہ ہیں سے ورنہ دنیا ساری

تا حشر بعدی کے سے کن جیسی اب ہے

شاد عظیم آبادی

۹۱

یہ دل تو ازل ہی سے ترا شیدا ہے

دیدار کی حسرت میں مٹا جاتا ہے

پردا تو ان آنکھوں ہی کا نکلا ہے محمود

آنکھیں ہوئیں جب بند تو نظر آیا ہے

شاد عظیم آبادی

91

The heart's eternal longing is for
Thee.
It pines, and pines for what it longs to
see.
The curtain of the eye that hides Thee
still,
Will soon be raised when eyes have
ceased to see !

Nizamat Jung

92

One for some heedless fair doth pine
in vain,
And one rejoices in his woe and pain.
But I give thanks to death whose
bounteous hand
Can make a drop rejoin the sea again !

Nizamat Jung

۹۴

زخمی ہوا ہوں میں نگاہ سے تیرے وا
خوش ہوا ہوں میں تیرے غم وا دیا

مجھ پہ ہوا احسان اجل کا میری
فکر سے ملا دیا ہوس دوا

شاد عظیم آبادی

معلوم ہے دیوانہ ترا جیسا ہے

نظروں سے گرا ہے خلق کا ایسا ہے

کیا اڑ کے بدل کس میں جا جب سے آ کے وہ دوست

نصرانی طرف دیکھ کے کہتا عیسیٰ ہے

شاد عظیم آبادی

93

Yea, he is mad—but he is mad for
Thee ;
Despised by all around—yea, such is
he :
And ye, my friends—why seek to
change my lot ?
Let eac h look at himself—himself
to see !

Nizamat Jung

94

Who comes to join the feast, let nim
have care
Lest he be lost in doubt all unaware,
The Giver filled the cup—He cares no
more ;
The cup is for the hand that claims his
share.

Nizamat Jung.

۹۴

وہ سوچ پی لے بڑے سے جو نہ پی سکے
ایسا نہ ہو ایمان آب ہی بن جائے
ساقی نے تو بھر کے دیا اس نے پیا
ساغر ہوا ہی مست کا چھلکا ہی دیا

شاد عظیم آبادی

۹۵

ارباب تقویٰ نیکو کیا وہ کچھ کیے
خواہان نمود نیکو کیا وہ کچھ کیے
رہ بیت کے لئے شرط ہے سامان فنا
پابند وجود نیکو کیا وہ کچھ کیے

تاجور نجیب آبادی

95

Who is bound in ritual, can he Thy
being know ?
Or guage Thy Truth who is himself
a show ?
True vision needs a void where there
is naught,
Who can find Thee, who will not life
forego ?

Nizamat Jung

Nawab Sir Nizamat Jung, Bahadur, Kt., C. I. E., O. B. E.,

Hameed Azimabadi
(42 years in 1938.)

Shad is a copious writer On every branch of Urdu poetry he has left his mark. But his real position rests upon the rarefied virtues of his Ghazals. According to'Neyaz of Fatehpore', so far as Ghazals are concerned India has not produced such a poet for the last fifty years.

His Rubaiyat which are now before the public are not and were not intended to be a systematic or consistent whole. They are occasional verses in which he has expressed rarefied thoughts just as circumstances and moods suggested. Hence they are the artistic expressions of his emotions and thoughts.

Ah, why rejoice in living—life is
naught—
In death will it as happiness appear."

Endurance of sufferings is itself a virtue and we shall be duly rewarded for it by our Almighty Father. Have, then, no fear of death; for death is the means to a new life, a life that knows no end.

"This body is a prison—house of care;
From which on lightsome wings the
soul shall fare.
What thou call living is a heavy sleep;
And what is death? The awakening
there!"

The mystery of Love and Beauty is quite unravelled to Shad. He sees beauty in each speck and finds the strong tie of love throughout the universe. Beauty is ever manifesting itself and love is the yearning for it. The call of Beauty never goes unheard.

These are in short, the main ideas which Shad has so beautifully expressed in a simple; but lucid style. Forceful and quivering with the poet's emotion, the words never fail to stir the reader's heart.

The ringing of the (church) bell is the
hymn of worship,
Girdle and church, rosary and Crucifix
Are all in truth the token of worship."
Says Shad,

"Oh, divers are the pathways that we
see,
And travellers are aghast that such they
be.
But devious though the routes, yet all
at last
Meet in one place ordained by destiny."

Shad is not only a great poet; he is a great thinker as well. He often reminds us of the unreality and the transitoriness of this phenomenal world. Our joys, our sorrows, are all illusory. They seem real only so long as our soul is attached to this material body. Our real home is Eternity, where emancipated, we shall enjoy the true blessings of happiness. Let us then suffer, if we are to suffer till we "cross the bar".

"To quit this world—is this what thou
dost fear,
O heart, to reach thy home when it is
near?

" In every pulsing of my heart be Thou !
And be of each intent the object Thou !
Oh, may mine eyes upraised Thy glory see !
And may my head low bent unto Thee bow. "

A mystic by nature, " Shad " rejects and condemns the lure of the understanding. His are the intuitive flights which reveal to him, behind all veils and masks of formulae, those divine truths the comprehension of which is the aim alike of art and religion.

" A notion unconfirmed remains our thought—
Where even certainty with doubt is fraught.
For lo ! man's intermeddling reason makes
Unknown what erst was known—makes ought as naught."

It is this pantheistic attitude which makes Shad so liberal in his religious opinion. He is quite in agreement with Omar Khayyam who says in one of his Rubaiyat:—

" Idol, temple and " Kaba " are alike the home of worship,

Rubaiyat of shad

SHAD OF PATNA

BY

S. MOBARAK HUSSAIN,

" *SROOR*" *HAMEEDI*, *B. A.*

In the realm of Urdu poetry, Shad unquestionably holds a high place. In him we find a revival of the mysticism of Hafiz, the great Persian poet, but this by no means, is a mere imitation of the great master, for Shad has an individuality of his own and his verses bear the mark of his genious. The tone of his poetry is not that of voluptuous sensual -ity, but of a keen aspiration, in which mystical desires ; with their agonising pangs and spirit- ual raptures transcend the joys and sufferings of ordinary mankind. It is his longing for the " true beloved "— from whom all that is beau- tiful borrows its beauty and all that exists has its being—which gives a grace to the verses of Shad.

prose translation of Mr Hameed at my request and having put them into English verse gave a new life to them.

I am also asked by Mr. Hameed to thank Mr. S. M. Moinul Haque. M. A. O. B. E. Principal B. N. College, Patna; for writing the " Foreword " of the quatrains of Shad and I feel much pleasure in offering my thanks to him also.

Appreciation and thanks to the successful efforts of Mr. Hameed.

" The Moving Finger writes, and having
writ,
Moves on ; nor all your piety nor wit,
Shall lure it back to cancel half a line
Not, all your Tears wash out a word
of it."

But unlike Khayyam, Shad was not a determinist. Man he holds, is free and his actions are in no way predetermined by any Supernatural agency. He is responsible for what he does. Says he :—

" 'Tis true He keeps thee busy in life's
toil,
But not to harass, nor thy hopes to foil.
Oppression has no place in Nature's
law;
None can thy heart of its free will
despoil."

Shad was never impressed by the poetical taste of his age but rather he tried to give it a new turn and his poems glow with unrivalled purity.

It would be lack of duty on my part, if I do not offer my thanks to Sir Nizamat Jung Bahadur who so very kindly went through the

Rubaiyat of Shad.

" SHAD AZIMABADI "

BY

BEGUM SOGHRA HUMAYUN MIRZA,

Hyderabad (Deccan)

It is at the keen and earnest desire of Mr. Hameed that I am writing these lines on Shad of Patna. In every period of time Patna produced gems of Urdu Poetry but it was Shad who gave special lustre to Bihar.

Shad was not only a great poet but a historian, philosopher and theosophist as well.

As Omar Khayyam came before the English knowing people in Edward Fitz Gerald's language so now Shad's quatrains appear before the public in Sir Nizamat Jung's English verse.

Khayyam believed in predistination and regarded human beings as mere toys in the hands of Destiny.

There is thus a note of escape in both the poets. They differ only in their method of escape. The one seeks the help of wine and the other of death to achieve this purpose.

In the matter of translation Nizamat Jung has followed the original more closely than Fitz-Gerald who has taken considerable liberty in rendering the Persian Rubaiyat into English. Each of them has merits of his own and together the two might well serve as patterns for future translators.

eclogue in a Persian garden" Life is unhappy, short-lived and uncertain Man can not help it He is absolutely powerless. Therefore, before death comes the few moments of respite should be enjoyed in complete forgetfulness of past misfortunes and future cares :

> " Ah, my beloved, fill the cup that clears
> Today of past Regrets and future Fears-
> Tomorrow ? why, To morrow I may be
> Myself with yesterday's Sev'n Thousand
> years."

Such, in short, is the unending refrain of Khayyam's Eipcurean eclogue. Shad, on the other hand, paints his pictures against the background of the world's prison-house where men toil and groan and "where but to think is to be full of sorrow." Wine cannot bring about forgetfulness of life's misfortunes. Death, the wine of divine union, alone can do it :

> " One for some heedless fair doth pine
> in vain,
> And one rejoices in his woe and pain.
> But I give thanks to death whose bounteous hand
> Can make a drop rejoin the Sea again."

Rubaiyat of Shad.

Shad belonged to the old school of Urdu poets whose main concern was to preserve the beauty and purity of language. In matter and style they were guided by conventions which had the effect of suppressing the individuality of all but the greatest of them. Among these last few was Shad. The themes that he wrote on were the same that others had written on and the metaphors and similes he used were those that had become common place through continued use, yet the deep feeling and melancholy strain of his poetry are never lost.

The present volume sets out to present the Rubaiyat of Shad in English verse. The translator has closely followed the scheme of Fitz Gerald in the arrangement of the quatrains. Like the latter he has also tried to piece together independent stanzas to make a single peom. The atmosphere and back ground of the two poems are, inspite of the presence in both of them of certain common ideas, very different. The quatrains collected by Fitz Gerald are, as he says, "Most ingeniously tasselated into a sort of Epicurean

Shad belonged to this class and like many of his class had to struggle for a decent living on a dwindling income. His old age was passed in penury. The annuity of a thousand rupees settled on him by Government in recognition of his literary achievements was insufficient to meet the needs of his expanded family. His disgust for life as expressed in his later peoms was in no small measure due to his straitened circumstances.

> " I pray to god for death each day and night,
> Grief's poisoned cup I'm quaffing with delight.
> And how goes life with me ? Nay, do not ask
> I live in hopes of death, in life's despite."

Infirmity of old age, for he lived far beyond the Biblical span to be four score and one added to his misery :

> My body's failing strength has vanished quite,
> My back is bent, and clouded is my sight;
> My youth once keen of zest has fled from me
> And made me o'er to feeble age outright.

Rubaiyat of shad

FOREWORD

BY

S. M. Moinul Haque ; M. A., O. B. E.,
Principal B. N. College, Patna.

Omar Khayyam's Rubaiyat owe their popularity among English speaking people to Edward Fitz Gerald and it is a happy idea to present the quatrains of the Urdu poet, Syed Ali Mhnammad Shad in English verse.

Shad occupies an important place in Urdu poetry and is one of the greatest poets that Bihar has produced. Born some years before the Sepoy Mutiny Shad's youth and middle age saw the consolidation of British rule in India. After an era of chaos and uncertainty India had settled down to build her life on new foundations in co-operation with her new masters. The economic life of the country was undergoing far-reaching changes and the people most affected by them were those of the middle class, the intelligentsia of the Society.

The Rubaiyat

OF

Shad Azimabadi

Done into English

BY

Nawab Sir Nizamat Jung Bahadur Hyderabad (Deccan)

Under the patronage

OF

Begum Soghra Humayum Mirza Hyderabad (Deccan)

Compiled by

HAMEED AZIMABADI

Rs. 4.